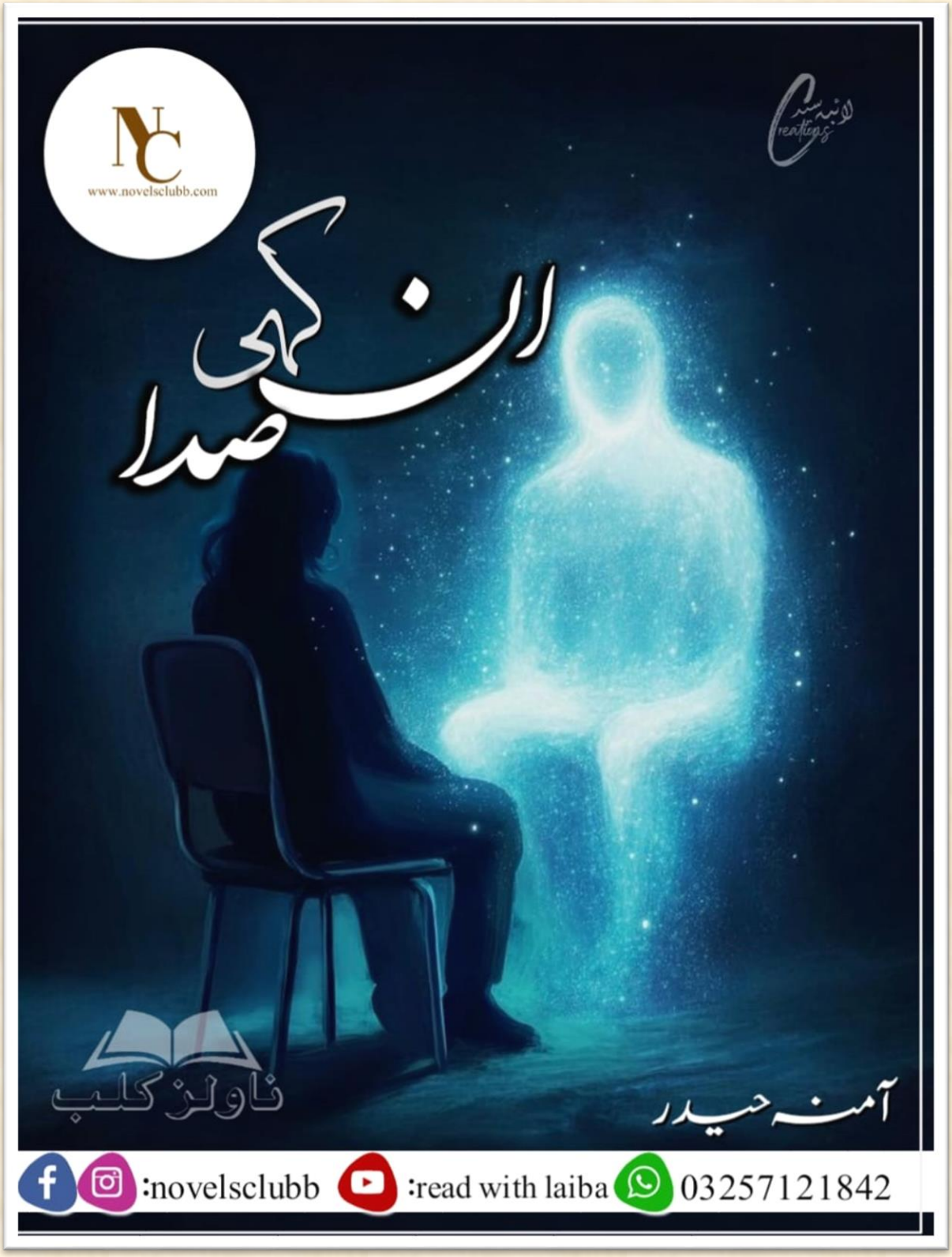
www.novelsclubb.com
ان کہی صدا
آمنہ حیدر
ناولز کلب
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

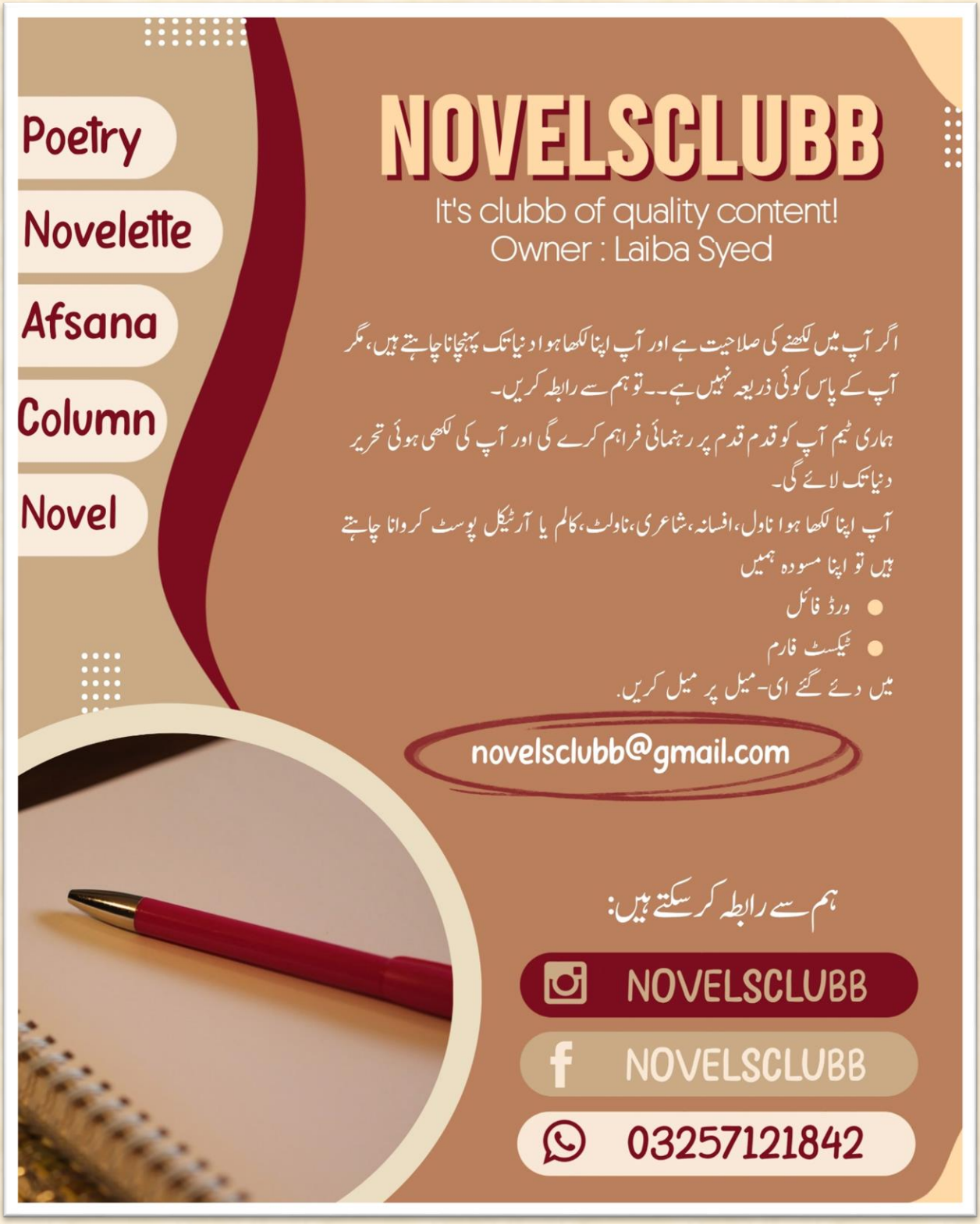
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

ان کہی صدا

از قلم

آمنہ حیدر

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ان کہی صدا

از آمنہ حیدر

صبح کا سورج نکلا اور رات کی سیاہی کو نگل گیا۔ شہر میں ہلکی روشنی پھیل گئی درختوں پر بیٹھے پرندے گنگنانے لگے ایسے میں ایک گھر کے کچن سے برتنوں کی آواز سنائی دے رہی تھی اندر قدم رکھو تو گرم پراٹھوں کی خوشبو نتھیو سے ٹکرا جاتی تھی۔ کچن میں ماہ رخ بیگم چولہے پر کھڑی پراٹھے بناتی نظر آتی تھیں ساتھ دوسرے چولہے پر چائے ابل رہی تھی۔ دفتن کسی کے قدموں کی چاپ لاونج میں گونجتی ہے پھر ایک کرسی کھینچنے کی آواز آتی ہے اگر تم دیکھو تو کرسی کھینچ کر بیٹھتا ایک نوجوان ہے شہیر عمر تقریباً بیس سال گندمی رنگت ہلکے گھنگریالے بال سلیقے سے سیٹ تھے ہلکی بھوری آنکھوں میں ذہانت چمکتی تھی۔ اس نے بیٹھ کر اخبار اٹھا لیا یہ اس کی عادت تھی روز ناشتے کی میز پر بیٹھ کر ہیڈ لائنز پر نظر دوڑانا۔ کچھ پل خاموشی ہو گئی پھر اس خاموشی کو کسی کے تیز قدموں نے توڑا تھا وہ بھاگتا ہوا سیڑھیاں اتر رہا تھا آخری سیڑھی پر آ کر پاؤں پھسلا اور وہ گرتے گرتے بچا

"ازہان آرام سے"

شہیر نے اسے ایک نظر دیکھا اور پھر اپنی اخبار میں گم ہو گیا جیسے یہ روز کا معمول ہو۔ازہان مسکرا کر سیدھا ہوا اور دوسری کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔وہ اٹھارہ سالہ لڑکا تھا۔وہ اُن چہروں میں سے تھا جنہیں بار بار دیکھنے کا دل چاہے صاف گندمی رنگ، جیسے قدرت نے خود اپنے ہاتھ سے تراشا ہو بڑی بادامی آنکھیں جیسے بات کرنے سے پہلے سب کچھ کہہ دیتی ہوں۔

"یار بھائی کیا تم میں بوڑھوں والی روح گھوس گئی ہے اخبار پڑھنے کی"

اس نے منہ بناتے ہوئے شہیر کو اپنی جانب متوجہ کیا۔شہیر نے اخبار نیچے کر کے اسے دیکھا

"اس میں بوڑھوں کی روح والی کیا بات ہے؟انسان کو خبر ہونی چاہیے اس کے ارد گرد کیا ہو رہا ہے ورنہ یہ دنیا تمہیں روند کر گزر جائے گی اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔اپنی آواز اور اپنی آگاہی کو کبھی مرنے مت دینا کیونکہ جب یہ مرتی ہیں تو ضمیر خود بخود دفن ہو جاتا ہے۔"

ازہان نے برا سا منہ بنایا اور گردن موڑ کر کچن کو دیکھا

"ماما آج رات کو کیا بنا رہی ہیں؟"

ہائے یہ دیسی گھرانوں کے بچے اور مائیں ابھی ایک وقت کا کھانا کھاتے نہیں اگلے وقت کی پریشانی پہلے سے ہونے لگتی ہے۔اس سے پہلے ماہ رخ بیگم کوئی جواب دیتیں کسی نے چیختے ہوئے اعلان کیا تھا

"آج ہم ڈنر پر باہر جائیں گے"

یہ پندرہ سالہ نورا تھی سکول یونیفارم میں ملبوس بالوں کی چٹیا بنائی ہوئی وہ پتا نہیں کب نیچے آئی تھی۔

"تمہارا بس چلے تو ہر روز باہر سے ہی کھاؤ"

ازہان نے بظاہر ناگواری سے کہا مگر دل ہی دل میں وہ بھی چاہتا تھا کہ آج باہر کھانا کھائیں۔

"بھائی آپ دونوں تو اکثر دوستوں کے ساتھ باہر نکل جاتے ہیں پر میں نہیں جاسکتی اب ایسے میں گھر والوں کے ساتھ ہی جاؤں گی نا"

اس نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں

"لو جی اس کی ایموشنل بلیک میلنگ شروع"

شہیر نے ہنستے ہوئے اخبار رکھا

"بھائی کیا مل گیا آپ کو ان ٹینشن والی خبروں کو دیکھ کر؟"

نورا نے بغور شہیر کو دیکھتے پوچھا تو اس نے کندھے اچکا دیے۔

"آج کے دور میں کون اخبار پڑھتا ہے؟" ازہان نے ایک نظر سائڈ پر پڑے اخبار کو دیکھا تو بے اختیار نگاہ ایک ہیڈ لائن پر پڑی سہں بیچنگ کے دوران کسی نوجوان کو گولی لگی تھی اور اسی وقت وہ جاں بحق ہو گیا۔اس نے جھر جھری لی نا جانے شہیر کو کیا ملتا تھا یہ خبریں پڑھ کر۔اسی لمحے بھاری بوٹوں کی آواز سنائی دی سلمان قریشی ایک باوقار مرد تھے وہ مسکراتے ہوئے آئے اور سربراہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔"اسلام علیکم" باآواز بلند سلام کیا" وعلیکم السلام بابا" تینوں کی زبان سے بیک وقت نکلا۔کچن سے آتی ماہ رخ بیگم نے بھی سلام کا جواب دیا اور ناشتہ میز پر رکھ کر سلمان صاحب کے ساتھ بیٹھ گئیں۔سب نے ناشتہ شروع کیا

"آج مجھے سائٹ پر کچھ دیر لگ جائے گی"

سلمان صاحب نے پراٹھا کھاتے ہوئے بتایا

"کیوں بابا سب خیریت ہے؟"

شہیر نے فکر مندی سے انہیں دیکھا

"ہاں بیٹا بس کام زیادہ ہے اور اگر میں کھڑا نہ ہوں تو مزدور سہی سے کام نہیں کرتے"

شہیر نے سمجھ کر سر ہلا دیا

"بابا رات کو ہم ڈنر پر باہر چلیں گے اوکے؟"

نورا نے آنکھوں میں ڈھیروں امید لیے انہیں دیکھا تو وہ بے اختیار مسکرا دیے "ٹھیک میں شام تک آجاؤں گا تیار رہنا" سب کے چہرے پر مسکراہٹ ابھر آئی۔

"بابا ابھی تو آپ کہہ رہے تھے آپ کو دیر ہو جائے گی آج"

ازحان نے آبرو اٹھا کر پوچھا تو سلمان صاحب مسکرا دیے

"اب بچے کام سے زیادہ ضروری ہیں تو جلدی آنا تو پڑے گا"

سب ہنس دیے۔

"بیٹا تم دونوں کو دیر ہو رہی ہے چلے جاؤ نورا کو میں سکول چھوڑ دوں گا" سلمان صاحب نے شہیر اور ازہان کو دیکھتے ہوئے کہا "جی بابا" وہ دونوں ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دونوں فاسٹ یونیورسٹی میں پڑھتے تھے جو یونیورسٹی اور کالج دونوں تھا۔ازہان کالج کے فائنل ائیر میں تھا جب کہ شہیر یونیورسٹی کے دوسرے سیمسٹر میں۔وہ دونوں ایک ساتھ ہی یونیورسٹی جاتے تھے اور واپسی بھی ساتھ ہی ہوتی تھی۔وہ دونوں چلے گے اور کچھ دیر بعد سلمان صاحب نورا کو لے کر نکل گے۔

دوپہر کا وقت تھا شہیر ابھی کلاس سے فری ہوا تھا اور اب پارکینگ میں جا رہا تھا جہاں گاڑی کھڑی تھی قریب پہنچ کر اسے ازہان نظر آیا جو گاڑی کے پاس کھڑے اس کا انتظار کر رہا تھا

"زیادہ انتظار تو نہیں کروایا میں نے؟ایک ٹیسٹ تھا اس میں دیر ہو گئی"شہیر نے قریب جاتے ہوئے کہا

"نہیں نہیں آپ تو ملکہ الزبتھ ہیں آپ کے انتظار میں تو میں سارا دن اس دھوپ اور گرمی میں کھڑا رہے سکتا ہوں"

ازہان نے جلے کٹے انداز میں کہا تو شہیر ہنس دیا اور اس کے گلے میں اپنے بازو ڈال کر اسے قریب کیا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ابے دور ہٹ"

ازہان نے اسے دھکا دے کر خود سے دور کیا

"استغفر اللہ شرم کر"

شہیر پھر سے ہنس دیا وہ جانتا تھا ازہان ایسے چڑتا ہے اور اسے چھیڑنا اس کا پسندیدہ عمل تھا۔ وہ دونوں بھائی سے زیادہ دوست تھے۔ شہیر کا فون بجا تو اس نے سکرین دیکھی ایک غیر شناسا نمبر تھا اس نے کال اٹینڈ کی اور دوسرے ہاتھ سے پوکٹ سے چابی نکالی اور گاڑی کے کی ہول میں ڈالنے ہی لگا تھا کہ دوسری طرف کا پیغام سن کر اس کے ہاتھ رک گے وہ چابی نا لگا سکا

"کیا؟ کیا کہا آپ نے؟"

وہ ساکت کھڑا رہا جیسے الفاظ دماغ میں ٹھہرے ہوں لیکن سمجھ نہیں آرہے۔ چابی والا ہاتھ پہلو میں جا گرا اسے لگا وہ سانس نہیں لے سکتا بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔ ازہان اسے اس حالت میں دیکھ کر بھاگتے ہوئے پاس آیا "کیا ہوا" آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا مگر وہاں صرف خاموشی تھی جیسے الفاظ تلاشے نہیں جا رہے۔

"شہیر کیا ہوا ہے؟"

ازہان نے اسے بازو سے پکڑ کر جھنجوڑا جو بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا موبائل کب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گرا اسے علم نہیں ہوا۔

"بابا"

شہیر کے گلے سے پھنسی پھنسی آواز نکلی جیسے سانس لینا بھی محال ہو ازہان کے ہاتھ ایک دم نیچے جا گرا

"بابا؟ کیا بابا؟ کیا ہوا ہے؟"

اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا

"بابا سائٹ سے گر گئے"

شہیر نا جانے کیا بول رہا تھا اس نے بے یقینی سے اپنے بھائی کو دیکھا گردن خود بخود نفی میں ہلنے لگی

"نا نہیں یہ۔۔۔ یہ تم کیا۔۔۔ کیا کہے رہے ہو؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اسے بولا ہی نہیں جا رہا تھا شہیر نے بے بسی سے اسے دیکھا بولا نہیں شاید اسے بھی بولا نہیں جا رہا تھا

"کونسے ہاسپٹل ہیں؟"

ازہان نے بمشکل پوچھا

"وہ ہاسپٹل نہیں ہیں"

شہیر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے

"کیا مطلب وہ ہاسپٹل نہیں ہیں؟ کہاں ہیں بابا؟"

وہ چلا رہا تھا لوگ اب روک کر انہیں دیکھ رہے تھے۔

"ان کی میت کو گھر لے جا رہے ہیں"

نا جانے شہیر نے یہ الفاظ کیسے ادا کیے تھے ازہان ساکت رہ گیا جامد بے یقینی سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

میت؟ کس کی میت؟ کونسی میت؟ میت کیا ہوتی تھی؟ اس کا دماغ جیسے مفلوج ہو چکا تھا قدم پیچھے کی طرف اٹھنے لگے گردن اب تک دائیں بائیں ہل رہی تھی شہیر رو رہا تھا اسے سمجھ نہ آیا وہ کیوں رو رہا ہے؟ انہوں نے ابھی گھر جانا تھا مووی دیکھنی تھی پھر رات کو بابا کے ساتھ ڈنر پر ہاں سب ٹھیک تو تھا پھر شہیر کیوں رو رہا تھا شہیر نے بے بسی سے اسے دیکھا اور اس کی جانب بڑھا اسے اپنے گلے لگایا آنسو میں مزید روانی آگئی ازہان اب تک ساکت کھڑا تھا ایک آنسو بھی آنکھوں سے نہیں نکلا تھا اس نے دیکھا شہیر اسے کھینچ کر گاڑی میں بٹھا رہا تھا خود وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا گھر تک کا فاصلہ نہ جانے اتنا لمبا کیوں ہو گیا تھا اسے شہیر کو دکھانا تھا کہ سب ٹھیک ہے وہ بکواس کر رہا تھا۔

گھر کی گلی مڑے تو اس نے دیکھا گلی میں بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں ان کے گھر کے باہر بہت سے مرد جمع تھے گھر کا گیٹ کھولا تھا۔ ازہان کا دماغ سن تھا آخر وہ لوگ کیوں کھڑے تھے؟ آخر گیٹ کیوں کھولا تھا؟ گاڑی روکی تو اس نے خود کو گاڑی سے باہر نکلتے گھر کی طرف بھاگتے پایا۔ شہیر بھی اس کے ساتھ تھا گیٹ پر مردوں نے شہیر کو روک لیا تھا وہ اس سے تعزیت کر رہے تھے انہوں نے ازہان کو بھی روکا اور تعزیت کی کس چیز کی تعزیت؟ ازہان کا دل کیا وہ

ان کے منہ پر ٹیپ لگادے وہ سب پاگل ہو گئے تھے اس کے باپ کا افسوس کر رہے تھے اس نے خود کو چھڑایا اور اندر کی جانب بڑھ گیا مگر مین ڈور پر اس کے قدم منجمد ہو گئے۔ سامنے نا وہ ڈائنگ ٹیبل تھی جہاں صبح سب نے ناشتہ کیا تھا نہ وہ صوفے جن پر روز رات کو وہ مل کر کوئی مووی دیکھتے تھے سب غائب تھا فرش پر قالین بچھا تھا اور درمیان میں ایک چارپائی پڑی تھی جس پر کوئی لیٹا تھا اس کے اوپر سفید کپڑا تھا۔ عورتوں کی رونے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں مگر اس کے کان بند ہو گئے تھے شاید وہ کچھ نہیں سن پا رہا تھا۔ ماہ رخ بیگم چارپائی سے سر ٹکائے رو رہی تھیں اور نور اسائڈ پر بیٹھی نڈھال تھی اسے سانس نہیں آ رہی تھی اسے ایستھما تھا اور رونے سے اس کا سانس رکنے لگا تھا۔ ازہان نے خود کو نورا کی طرف بھاگتے پایا وہ اسے اپنے گلے لگائے پیچھے سے اس کی کمر مسل رہا تھا

"ششششششش سب ٹھیک ہے سانس لو سانس لو نورا"

وہ اسے تھپک رہا تھا

"کوئی inhaler لائے جلدی"

Clubb of Quality Content

وہ چیخا تھا کوئی عورت انہیلر لائی تو ازہان نے تیزی سے اس کے ہاتھ سے انہیلر پکڑا اور اسے نورا کے منہ کے ساتھ لگایا۔ سب ایک دم اس کی طرف متوجہ ہو گے تھے ماہ رخ بیگم بھی پریشانی سے اسے دیکھ رہی تھیں شور سن کر شہیر بھی اندر آ گیا تھا۔ چند منٹ بعد نورا کی حالت قدرے بہتر ہو گئی تو شہیر باہر چلا گیا اسے لگا ازہان وہیں روکے گا مگر ازہان نہیں روکا اس نے ایک نظر چارپائی پر پڑے چہرے کو دیکھا اور باہر بھاگ گیا اس کا دم گھوٹ رہا تھا اسے لگا وہ اندر رہا تو مر جائے گا باہر لوگوں کا ہجوم تھا وہ اُدھر نہیں جا سکتا تھا اس کے قدم تیزی سے اسے بیک یارڈ میں لے گے تھے جہاں بہت سے درخت لگے تھے ایک درخت کے پاس وہ رکا چند گہری سانسیں لی دماغ نے خود ہی بیتا وقت یاد کرنا شروع کر دیا۔ اس درخت کا بیج اس نے اور بابا نے مل کر لگایا تھا اس کا میٹرک کا رزلٹ آیا تو بابا گفٹ میں اس کے لیے یہ بیج لائے تھے ان کا ماننا تھا تحفہ ایسا ہونا چاہیے جو مرنے کے بعد بھی کام آئے۔ ازہان اسی درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ آنسو خود ٹپکنے لگے اس کی آنکھوں کے سامنے بابا کے ساتھ گزارے سارے پل کسی فلم کی طرح چلنے لگے۔ شہیر نے ازہان کی غیر موجودگی محسوس کی تو پریشانی سے اسے ڈھونڈنے لگا اس کا کمرہ بابا کا کمرہ ہر جگہ دیکھ لیا پر وہ کہیں نہیں تھا پھر اچانک کسی

خیال کے تحت بیک یارڈ میں آیا تو اسے سامنے درخت کے ساتھ چہرہ جھکائے بیٹھے دیکھا۔

شہیر اس کے پاس گیا اور اسے اپنے گلے لگا لیا۔ازہان کے آنسو میں تیزی آگئی

"بابا کیسے جا سکتے ہیں شہیر؟ کیسے؟" وہ روتے ہوئے بہت کچھ کہے رہا تھا شہیر بھی رو رہا تھا۔

اچانک کوئی وہاں آیا

"شہیر بیٹا جنازہ کا وقت ہو گیا ہے۔میت کو زیادہ دیر گھر نہیں رکھتے بے ہرمتی ہوتی ہے"

ازہان ایک دم شہیر سے الگ ہوا ہراساں نگاہوں سے پہلے آنے والے کو پھر اپنے بھائی کو دیکھا

"نا نہیں بابا کو کہیں نہیں لے کر جانا۔میں۔۔۔میں نہیں جانے دوں گا"

شہیر نے اپنے آنسو صاف کیے اور کھڑا ہو گیا پھر ہاتھ سے پکڑ کر ازہان کو اٹھایا "ہم اللہ کے فیصلوں کے آگے بے بس ہیں ازہان اللہ کو ناراض مت کرو بابا کی نصیحت کو نہ بھولاو"

ازہان بمشکل اٹھا اور میں ڈور تک آیا مگر آگے نہیں بڑھ پایا شہیر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا

"ہمیں ماما اور نورا کے لیے صبر کرنا ہے"

شہیر آگے بڑھ گیا اور اسے بھی آگے جانا پڑا جنازہ اٹھایا گیا کچھ عورتوں نے ماہ رخ بیگم اور نورا کو پکڑا ہوا تھا جو رو رو کے بے حال ہو گئی تھیں مگر جنازہ اٹھتے دیکھ کر رونے میں تیزی آگئی تھی یہ آخری بار تھا وہ سلمان قریشی کو دیکھ رہے تھے۔چارپائی کو آگے سے ایک طرف شہیر نے جب کہ دوسری طرف سے ازہان نے پکڑ رکھا تھا یہ وزن بہت بھاری محسوس ہو رہا تھا انہیں لگ رہا تھا ان کے کندھے ٹوٹ جائیں گے وہ یہ وزن نہیں سہے سکتے۔قبرستان پہنچ کر نماز جنازہ پڑھی گی اور پھر سلمان قریشی کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ان کی قبر کے پاس شہیر دوزانو ہو کر بیٹھا "یہ۔۔۔یہ میں نے کیا کر دیا؟ میں نے۔۔۔میں نے اپنے باپ کو دفنا دیا۔۔۔میں یہ کیسے کر سکتا ہوں"

وہ رو رہا تھا ازہان کی آنکھوں سے تو آنسو روکے ہی نہیں تھے وہ شہیر کے ساتھ اسی کے انداز میں بیٹھا اور اسے گلے لگا لیا وہ دونوں بھائی باپ کی قبر پر بیٹھے رو رہے تھے اور لوگ افسوس سے انہیں دیکھ رہے تھے۔اتنی سی عمر میں باپ کا سایہ ان کے سروں سے اٹھ گیا تھا اس ظالم دنیا میں وہ اکیلے کیسے رہیں گے؟ جی بھی پائیں گے یا نہیں؟

وہ قبرستان سے گھر آئے تو دیکھا نورا اور ماہ رخ بیگم کے ساتھ حبا بیٹھی تھی۔

شفاف چہرہ موٹی سیاہ آنکھیں سیاہ لمبے بال وہ بہت پیاری تھی۔وہ سلمان قریشی کے دوست کی بیٹی تھی اور ازہان کی بچپن کی دوست بھی۔وہ پچھلے ہفتے گاؤں گئی تھی اور ابھی سلمان صاحب کی خبر سن کر واپس آئی تھی ان دونوں کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

"چاچو ایسے کیسے جا سکتے ہیں؟انہوں نے وعدہ کیا تھا مجھے گھمانے لے کر جائیں گے جب میں واپس آؤں گی وہ اپنا وعدہ کیسے توڑ سکتے ہیں؟انہوں نے تو کبھی اپنا وعدہ نہیں توڑا"

وہ رو رہی تھی سلمان صاحب اس کے لیے بلکل اس کے سگے چاچا کی طرح تھے۔کسی کے پاس اس کی بات کا جواب نہیں تھا ازہان نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا اور اوپر بھاگ گیا۔

سب نے افسردگی سے اسے جاتے دیکھا۔

"حبا اسے ضرورت ہے آپ کی بیٹے"

ماہ رخ بیگم نے پیار سے اسے کہا تو وہ سر ہلاتی اوپر بڑھ گئی۔شہیر نے آگے بڑھ کے ماہ رخ بیگم اور نورا کو گلے لگایا۔

حبا اوپر اس کے کمرے تک آئی تو دروازہ کھولا تھا اور وہ نیچے کارپٹ پر بیڈ کے ساتھ کمر ٹکائے بیٹھا تھا ٹانگیں سینے سے لگی تھیں اور چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا تھا۔ حبا آگے بڑھی اور اس کے ساتھ بیٹھ گئی

"ازہان" اس نے نرمی سے اسے پکارا۔ وہ اس کی سب سے اچھی دوست تھی شہیر اور حبا ہی تو تھے جن سے ازہان اپنی ہر بات کہے دیتا تھا مگر آج اس نے کچھ نہیں کہا تھا بس چہرہ چھپائے بیٹھا رہا۔ حبا نے بھی اسے بولنے پر مجبور نہیں کیا وہ جانتی تھی اس کی موجودگی ہی ازہان کے لیے کافی ہے۔

ایک ماہ بعد

سلمان قریشی کے بعد ہر وقت گھر میں عجیب سی ویرانی رہتی تھی مگر وقت رکتا نہیں ہے سب کو اپنی زندگیوں میں واپس لے جاتا ہے۔ سلمان صاحب کی کنسٹرکشن کمپنی اب شہیر نے سنبھال لی تھی ساتھ وہ یونیورسٹی بھی جاتا تھا۔ اس وقت بھی وہ اپنے کمرے میں فائلوں میں منہ دیے بیٹھا تھا جب ہلکی سی ناک کے بعد دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا شہیر نے چہرہ

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اٹھا کر اسے دیکھا اور ہلکا سا مسکرا دیا کبھی کبھی انسان کو اپنوں کے لیے ویران دل کے ساتھ بھی مسکرانا پڑتا ہے۔ازہان کے ہاتھ میں دو کافی کے مگ تھے ایک شہیر کو تھمایا اور اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گیا شہیر نے ایک گھونٹ کافی کا لیا اور پھر واپس فائلیں دیکھنے لگا

"کوئی ہیلپ چاہیے؟"

ازہان نے کھنکارتے ہوئے پوچھا شہیر نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا

"تمہیں کوئی کام دینے کا مطلب ہے کام کو بگاڑنا اس لیے میں خود ہی کر لوں گا" شہیر نے ہنستے ہوئے کہا مگر ازہان سنجیدہ رہا

"میرے ساتھ اداکاری نہ کیا کرو"

شہیر کی مسکراہٹ پل بھر میں غائب ہوئی

"کیسی اداکاری؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"خوش رہنے کی! شہیر میں جانتا ہوں ہم سب اداکار ہیں سب ایک دوسرے کے لیے خوش رہنے کی کوشش کرتے ہیں پر کم سے کم ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے اداکاری نہیں کر سکتے" شہیر نے کافی گاگ میز سے اٹھایا اور ازہان کے پاس بیڈ پر بیٹھ گیا

"اچھا پھر کیا کریں؟ ازہان زندگی کو روک نہیں سکتے ہم۔ بابا بھی یہی چاہتے تھے کہ ہم خوش رہیں پھر ہم خود کو اذیت دیں گے تکلیف دیں گے تو بابا کیا ہم سے خوش ہوں گے؟"

ازہان نے چہرہ جھکا دیا اور گہری سانس اندر کھینچی۔

"ازہان تم ایسے اچھے نہیں لگتے ہو"

"ایسے کیسے؟"

"یہ یوں سنجیدہ اور دکھی آتمہ بن کر مجھے پہلے والا ازہان چاہیے وہ ہنستا ہوا شرارت کرتا ہوا"

ازہان ہنس دیا

"ہاں اور خود تم سے وہ ازہان برداشت نہیں ہوتا تھا"

"اصل میں بات یہ ہے کہ مجھ سے ازہان تم ہی برداشت نہیں ہوتے"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس نے تنگ کرنے والے انداز میں کہا تو ازہان نے اسے گھوری دی

"اور جیسے مجھ سے تم بہت برداشت ہوتے ہو وی ویلی وں کی" شہیر ہنس دیا۔ازہان نے کشن اٹھا کر اسے مارا

"مر جا" اور باہر چلا گیا۔

صبح کے نو بج رہے تھے۔کلاس میں پروفیسر لیکچر دے رہے تھے۔شہیر آدھا ان کی جانب متوجہ تھا اور آدھا اپنے سامنے رکھی فائل پر۔

"ایک وقت میں ایک کام کیا کرو ورنہ دونوں خراب ہو جائیں گے"

اس نے چونک کر اپنے ساتھ بیٹھی انیقہ کو دیکھا۔گھنگریالے بالوں والی پیاری لڑکی شہیر کی دوست تھی۔

"اچھا محترمہ"

شہیر نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"جی محترم"

انیقہ نے فائل بند کی۔

"رات کو سوئے نہیں تھے نا"

"ہاں کچھ کام تھا"

"شہیر خود کو اتنا over burden مت کرو ایسے تم بیمار پڑ جاؤ گے" اس نے فکر مندی سے شہیر کو دیکھا

"یار کیا کروں بابا کے بعد میں گھر کا بڑا مرد ہوں سب سنبھالنا ہے ازہان ابھی چھوٹا ہے"

"تم سب کر لو گے شہیر مجھے یقین ہے پر خود پر اتنا پریشر نہ دو"

"اچھا نہیں دیتا ابھی کچھ کھانے چلتے ہیں مجھے بھوک لگی ہے"

وہ اور انیقہ اٹھ کر کیفے ٹیریا چلے گے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

دن ڈھلا اور شام پھیل گئی۔لاہور کے ڈیفنس سپورٹس کمپلیکس کے باسکٹ بال کورٹ میں ازحان باسکٹ بال کھیل رہا تھا اس وقت کورٹ کھالی تھا اذہان نے نیلی پینٹ پر سفید ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی جس پر سے اس کا پسینہ واضح تھا اس کے بال بکھر کر ماتھے پر پھیلے تھے اور چہرہ پسنیہ سے بھرا تھا مگر وہ اس وقت گیم میں مگن تھا۔دروازہ سے حبا داخل ہوئی اور بینچ پر جا کر بیٹھ گئی وہ مسکرا کر اذہان کو دیکھ رہی تھی شاید اذہان اب زندگی کی طرف واپس آرہا تھا۔اذہان نے گیم ختم کر کے اس کی جانب دیکھا ایک ہلکی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی اور اس نے بال اٹھا کر حبا کی جانب پھینکی جو اس کے پاؤں پر لگی اور وہ چلا اٹھی

"جاہل انسان اذہان مسکراتے ہوئے اس کے پاس آیا

"ہیلو چھپکلی"

حبا نے خفگی سے منہ بسوڑا

"مینڈک سلام کرتے ہیں بڑا آیا انگریز" اذہان نے شانے اچکاے

"اگر شرمندہ کرنا چاہتی ہو تو وہ میں ہوں گا نہیں"

حبا کے لب ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھلے

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ہاں جب اللہ تعالیٰ شرم بانٹ رہے تھے تب تم گھوڑے گدھے بیچ کر سو رہے تھے" اذہان ہنس دیا

"نہیں میں گھوڑے گدھے نہیں پالتا پہلے ہی بہت جانور پالے ہوئے ہیں جیسے تم اور شہیر"

وہ دونوں چلتے ہوئے باہر گراؤنڈ میں آگئے تھے جب اذہان نے پوچھا

"ویسے تم یہاں کیسے؟"

حبا نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا "کیوں مجھے کوئی کام ہو گا تب ہی آؤں گی کیا؟ ایسے ہی دل کیا کہ اپنے بندر نما دوست کا حال احوال پوچھ لوں تو آ گئی" اذہان نے اپنے بکھرے بالوں میں ہاتھ پھیرا "اگر بندر ہی دیکھنا تھا تو شیشہ دیکھ لیتی بلکہ نہیں تم تو کو برا ہو"

حبا کے گال سرخ ہوئے

"ایسا ہے تو پھر مرو یہاں پر مینڈک بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے پاستہ بنا کر لائی تھی میں پر اب مرو ایسے ہی"

وہ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔پاستہ کا نام سن کر اذہان کی آنکھیں لالچ سے چمکیں "پاستہ؟اوئے خود بے شک چلی جاؤ اپنا بیگ دے کر جاؤ"

اذہان اس کی جانب لپکا۔حبا آگے بڑھ گئی

"نہیں اب کیوں دوں؟اب تو صرف تب آؤں گی جب کام ہو گا"

اذہان کا منہ حیرت سے کھول گیا

"اوئے بے وفائی نا کرو"

حبا نے مڑ کر اسے دیکھا

"بے وفائی؟اوہیلو مسٹر بے وفائی وہاں ہوتی ہے جہاں کوئی رشتہ ہو اور میں تو کام کے لیے آتی ہوں نا"

وہ واپس آگے جانے لگی

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ہاوووووو چھپکلی تم تو یہ نہ ہی کہو بچپن میں کیوں میری چاکلیٹس چھین کر کھاتی تھی؟ شرارت تم کرتی تھی ڈانٹ میں کھاتا تھا گرتی تم خود تھی بے عزت میں ہوتا تھا اب تم ان رشتوں سے نہیں مکر سکتی"

اذہان اس کی طرف بھاگا تھا۔ حبا بینچ پر بیٹھ گئی

"واٹ ایور شرارت ہمیشہ تم کرتے تھے" اذہان گھوم کر اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا "اچھا شرارت؟"

اس نے ہنسی دبائی اور پانی کی بوتل کھول کر اس کے بالوں پر الٹ دی۔ اس پر حبا کا دماغ گھوم گیا

"ہاں شرارت اور یہ بھی شرارت ہی تھی" اس نے پلٹ کر اپنے ہاتھ میں پکڑی بوتل اذہان پر الٹ دی

"بلکہ یہ بد تمیزی تھی مینڈک"

اذہان نے جھپٹ کر اس کا بیگ چھینا جس میں پاستہ تھا اور بھاگ گیا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"This is mine”

اور حبا مسکرا دی بلآخر اذہان واپس پہلے جیسے ہو رہا تھا اور یہی وہ چاہتی تھی

"مینڈک واپس آؤ"

وہ بھی اس کے پیچھے چل دی۔

کافی کے مگ سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ باہر ہلکی ہلکی بارش برس رہی تھی اور کیفے میں مدھم روشنی تھی۔

شہیر سامنے بیٹھا اپنے موبائل میں کچھ دیکھنے کا بہانہ کر رہا تھا مگر نظریں بار بار انیقہ پر جا رہی تھیں۔

انیقہ نے مسکراتے ہوئے کہا

"اتنی دیر سے دیکھ کیا رہے ہو؟ نوٹس لکھنے تھے نہ یہ لو رکھ لو اپنے پاس۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

شہیر نے ہنستے ہوئے فائل لی

"نوٹس سے زیادہ اگر تم یاد رہ جاؤ تو کام چل جائے گا۔"

انیقہ نے ناک چڑھائی

"بہت باتونی ہو گئے ہو آج کل۔"

"کیا کروں تمہارے ساتھ خاموش رہنا مشکل ہوتا ہے۔"

شہیر نے سنجیدگی سے کہا۔ کچھ لمحے کے لیے انیقہ کے ہاتھ کپ کے گرد رک گئے۔ دل کی دھڑکن معمول سے تیز تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"شہیر" وہ دھیرے سے بولی

"تمہیں کبھی ڈر نہیں لگتا؟"

"کس بات کا؟"

"کہ... کبھی ہم ایک دوسرے سے بات کرنا چھوڑ دیں؟"

شہیر نے ایک لمحے کو خاموشی اختیار کی پھر مسکرا کر بولا

"نہیں۔کیونکہ چاہے بات کم ہو جائے یادیں نہیں ہوتیں۔اور تم

"وہ رکا

"یاد رہنے والی ہو۔"

انیقہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی مگر آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

اس نے بات بدلنے کے لیے کہا

"بارش رک گئی ہے چلو واک پر چلتے ہیں۔"

شہیر کھڑا ہوا شال اس کے کندھوں پر رکھی۔

"تمہیں سردی لگتی ہے مگر ضد کبھی کم نہیں ہوتی۔"

انیقہ نے ہلکے سے کہا

"اور تم خیال رکھنے میں کبھی پیچھے نہیں رہتے۔"

دونوں باہر نکلے۔بارش کے بعد کی خوشبو نم مٹی اور ان کے درمیان ایک خاموش سا وعدہ۔

کوئی اظہار نہیں ہوا تھا مگر دلوں نے اعتراف کر لیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ہوا ہلکی چل رہی تھی لان میں طلبہ کے قہقہے گونج رہے تھے انیقہ درخت کے نیچے بیٹھی اپنی نوٹ بک میں کچھ لکھ رہی تھی۔اسی وقت علی کلاس کا ایک نیا لڑکا اس کے پاس آیا۔

"ہیلو انیقہ تمہارے نوٹس سب سے نیٹ ہوتے ہیں میں فوٹو لے سکتا ہوں؟"

علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

انیقہ نے نرمی سے مسکرا کر کہا

"ہاں کیوں نہیں لیکن واپس کر دینا یہ میرے لیے بہت اہم ہیں۔"

وہ دونوں باتوں میں مصروف تھے کہ شہیر دور سے آتا دکھائی دیا۔اس کی نظریں سیدھی انیقہ پر ٹک گئیں

علی کا جھکنا انیقہ کا ہنسنا...

سب کچھ شہیر کے اندر کسی خاموش آگ کی طرح جلنے لگا۔وہ آہستہ آہستہ ان دونوں کے قریب آیا

"کیا باتیں ہو رہی ہیں اتنی خاص؟"

آواز میں مسکراہٹ تھی مگر آنکھوں میں ہلکی سی چبھن۔ علی نے ہنستے ہوئے کہا

"کچھ نہیں یار، بس نوٹس چاہیے تھے۔ انیقہ واقعی بہت ہیلپ فل ہے۔"

شہیر نے ایک چھوٹی سی مسکراہٹ دی

"ہاں وہ سب کی مدد کرتی ہے مگر کبھی کبھی خود کو بھول جاتی ہے۔"

انیقہ نے چونک کر شہیر کی طرف دیکھا

چہرے پر معمولی حیرت مگر دل کہیں بہت اندر خوشی سے بھر گیا۔ علی چلا گیا

اور انیقہ نے ہلکے لہجے میں کہا

"تمہیں کیا ہوا ہے؟ عجیب باتیں کر رہے ہو۔"

شہیر نے نظریں چرا کر کہا

"کچھ نہیں بس اچھا نہیں لگتا جب کوئی اور تم سے اتنی باتیں کرے۔"

انیقہ کے لبوں پر مسکراہٹ آئی

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"یعنی تمہیں جلن ہوتی ہے؟"

شہیر نے نظریں آسمان کی طرف اٹھائیں

"نہیں بس کنسرن ہے تمہارے لیے"

بارش کی ہلکی بوندیں گرنے لگیں انیقہ نے ہاتھ آگے بڑھا کر بوند پکڑی اور بولی

"کبھی کبھی کنسرن محبت کی سب سے خاموش نشانی ہوتی ہے اور وہ خاموشی جب دعا بن کر عرش تک جاتی ہے نا شہیر تو خدا بھی گواہ بن جاتا ہے کہ مٹی کے بنے کسی انسان نے کسی سے بے پناہ عشق کیا ہے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

شہیر نے پہلی بار سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھا

"اب تو تمہیں پتا چل گیا ہو گا میں تمہارے لی ئے کیا فیل کرتا ہوں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں تمہاری کتنی فکر کرتا ہوں" وہ اس بات سے انجان تھا کہ انیقہ کے دل میں اُس کے لی ئے کیا جذبات جمع تھے۔

شام ڈھل رہی تھی آسمان پر نارنجی رنگ پھیل گیا تھا وہ دونوں بھائی چھت پر تھے

نیچے سے گلی میں کھیلتے بچوں کا شور کہیں دور کی مسجد سے آتی اذان کے ساتھ مل گیا تھا۔

ازحان ریکنگ سے ٹیک لگائے شہیر کو ایک ویڈیو دکھا رہا تھا" مطلب تو دیکھ اس نے اپنی کرش کو سات دفعہ پروپوز کیا ہے سات دفعہ مگر وہ ہمیشہ کوئی نا کوئی بہانہ کر دیتی ہے پھر بھی یہ لڑکا باز نہیں آتا"

ازحان نے ہنستے ہوئے بتایا اور شہیر کا بھی قہقہہ گونج اٹھا

"تم بس دوسروں کی لوسٹوریوں پر ہی دھیان دیتے رہو گے یا اپنا بھی کچھ سوچو گے"

ازحان نے نظریں اٹھا کر شہیر کو دیکھا اور ایک کندھا اچکایا

"کیا اب میں بھی گرل فرینڈز ڈھونڈ لوں" شہیر نے ہنستے ہوئے اس کے بال بگاڑ دیے

"نہیں جانی تو اپنے فیوچر کا سوچ بس ہر ٹائم لوسٹوری کا نہیں سوچ"

ازحان نے منہ کے زاویے بگاڑتے ہوئے اپنا سر پیچھے کیا

"میرا ہیر سٹائل نا خراب کر تیری طرح تھوڑی ہوں میرے لیے یہ میٹر کرتا ہے کہ میں کیسا لگ رہا ہوں تبھی تو لڑکیاں اٹریکٹ ہوتی ہیں"

شہیر نے سر جھٹکا

"اُف تمہاری سوئی لڑکی سے شروع ہو کر لڑکی پر ختم ہوتی ہے اذہان"

اذہان ہنس دیا

"کہاں ہے سوئی؟ میرے پاس تو کوئی سوئی نہیں ہے۔اور ویسے اس لڑکی کا کیا ہوا جو تجھے پسند ہے کیا نام تھا" شہیر کے گال سرخ ہوئے

"انیقہ"

اذہان نے لبوں سے سیٹی بجائی

"اوہاں تو لڑکیوں کی طرح کیوں شرما رہا ہے بھائی"

وہ اب شہیر کو چھیڑ رہا تھا اور انہی باتوں میں ان کی ہنسی پوری چھت پر گونج رہی تھی یہ سلمان قریشی کے مرنے کے بعد پہلی مرتبہ تھا کہ گھر میں کوئی ایسے ہنسا تھا اور شاید اب وہ لوگ نارمل ہو رہے تھے پر وہ اس بات سے انجان تھے بہت جلد کچھ ایسا ہو گا جس کے بعد وہ کبھی نارمل نہیں ہو پائیں گے۔ شہیر نے پیار سے اذہان کو دیکھا

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"اذہان دوستی ایک الگ چیز ہے مگر میں تمہارا بڑا بھائی ہوں اور جب تک میں زندہ ہوں تجھے کوئی کچھ نہیں کہے سکتا۔" اذہان نے شہیر کے کندھے پر ہاتھ رکھا "اب اس بات کی کیا ضرورت تھی اس وقت خیر تو کہیں نہیں جا سکتا میری جان چھوڑ کر مجھے تیرے ساتھ ہی گزارا کرنا ہو گا"

شہیر بھی ہنس دیا اور اذہان کو ہنستے دیکھتا رہا مگر تب ایک عجیب سا احساس تھا جیسے چھٹی حس کہے رہی ہو شاید وہ پھر ایسے اذہان کو ہنستے نا دیکھے۔

ایسا لگتا تھا شام کے سائے میں کوئی ان دیکھا اندھیرا ہو جو بہت جلد ان کی زندگیوں پر حاوی ہونے والا تھا۔

Clubb of Quality Content

آج موسم بہت خوش گوار تھا ڈیفنس رایا میں معمول کا رش تھا واٹر فاؤنٹین میں پانی بہے رہا تھا ہر ریسٹورنٹ اور کیفے میں لوگ جمع تھے کہنے کو پاکستانیوں کے پاس پیسہ نہیں ہوتا مگر جب دیکھو بازار بھرے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی ایک کیفے میں ایک ٹیبل پر شہیر بیٹھا تھا کالی شرٹ پہنے بال سلیقے سے سیٹ تھے اس کا ہاتھ کافی کے بھاپ اڑاتے مگ کے ہینڈل پر تھا اور اس کے

سامنے انیقہ بیٹھی تھی لمبے بالوں کو کھلا چھوڑے سفید رنگ کی ایک ڈھیلی کمیز پہنے۔اس کے ہاتھ میں کوکی تھی جسے وہ آہستہ آہستہ کھا رہی تھی۔شہیر اپنی کرسی سے اٹھا"عنیقہ مجھے تم سے بات کرنی ہے"

وہ گھوم کر عنیقہ کی طرف گیا اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا اچانک کیفے میں ہلکا میوزک بجنا شروع ہو گیا سپاٹ لائٹس آن ہو گئیں شہیر نے ایک ویٹر سے پھولوں کا گلدستہ پکڑا دوسرے ہاتھ سے جیب سے انگوٹھی نکالی اور دونوں چیزیں عنیقہ کے سامنے رکھیں

"Aneeqah Will you make my life better? Will you be my permanent in this temporary life? “

شہیر نے مسکرا کر پوچھا۔عنیقہ کو لگا جیسے اس کے گرد موجود دنیا کے تمام شور خاموش ہو گئے ہوں۔وہ جو ابھی کچھ دیر پہلے تک بڑی بے نیازی سے کوکی چبا رہی تھی اب بالکل ساکت تھی۔شہیر کی گہری آنکھوں میں اس وقت جو التجا اور سچائی تھی اس نے انیقہ کے دل کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کر دیا تھا۔

شہیر نے بہت نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔اس کے ہاتھ کی حدت عنیقہ کی پوروں تک محسوس ہو رہی تھی۔

"انیقہ میں نے ہمیشہ زندگی کو صرف ذمہ داریوں کے ترازو میں تولا ہے مگر تم وہ پہلی لڑکی ہو جس نے مجھے یہ سکھایا کہ زندگی جی بھی جاتی ہے۔کیا تم میری اس بکھری ہوئی دنیا کو سمیٹنے میں میرا ساتھ دو گی؟"

شہیر کی آواز میں وہ مخصوص کھنکھناہٹ تھی جو صرف انیقہ کے سامنے ظاہر ہوتی تھی۔انیقہ نے ایک لمبا سانس لیا اور اپنی پلکیں جھکا لیں۔اس کے گورے چہرے پر حیا کی ایک ایسی لہر دوڑی جس نے شہیر کے دل کو تسلی دے دی۔اس نے آہستہ سے اپنے دوسرے ہاتھ سے شہیر کے ہاتھ پر دباؤ بڑھایا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے شہیر؟ کیا میں نے یہ سارے سال کسی اور کے لیے انتظار کیا تھا؟ میرا ہر راستہ آپ ہی کی طرف تو آتا ہے۔"

انیقہ کی آواز میں ایک عجیب سی لرزش اور مٹھاس تھی۔شہیر کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔دونوں کے درمیان ایک ایسا خوبصورت خاموش لمحہ تھا جو لفظوں کا

محتاج نہیں تھا۔ مگر اسی دوران جب انیقہ نے مسکراتے ہوئے کیفے کی کھڑکی سے باہر دیکھا تو اسے عجیب سا لگا۔ باہر کی ڈھلتی شام اب سنہری نہیں رہی تھی بلکہ گہرے سرمئی بادل تیزی سے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔ اسے محسوس ہوا جیسے ہوا میں ایک دم سردی بڑھ گئی ہو۔ ایک ان جانی سی گھبراہٹ اس کے وجود میں سرایت کرنے لگی جیسے یہ خوشی کسی بہت بڑے طوفان سے پہلے کی خاموشی ہو۔

"شہیر چلو اب گھر چلتے ہیں میرا دل ایک دم بہت پریشان ہو رہا ہے۔"

اس نے شہیر کی آستین پکڑتے ہوئے کہا۔ شہیر نے اس کی آنکھوں میں چھپی بے چینی دیکھی تو اس کا اپنا دل بھی کسی انجانے وہم سے دھڑک اٹھا۔ اسے اذہان کا وہ ہنستا ہوا چہرہ یاد آیا اور اس کے ساتھ ہی وہ خوفناک احساس جو اسے صبح سے بے چین کر رہا تھا۔

شہیر جب گھر میں داخل ہوا تو اس کے چہرے کی دمک صاف بتا رہی تھی کہ وہ آج اپنی زندگی کی سب سے خوبصورت جنگ جیت کر آیا ہے۔ چابیوں کا گچھا میز پر ڈالتے ہوئے اس کی

نظریں بے اختیار اپنے ہاتھ کی پوروں پر جم گئیں جہاں اب بھی ایک نرم لمس کا احساس باقی تھا۔

لاؤنج میں قدم رکھتے ہی اس کا سامنا اذہان سے ہوا جو صوفے پر اوندھے منہ لیٹا شاید کسی گہری سوچ میں تھا مگر شہیر کی آہٹ پاتے ہی وہ ایک دم چوکنا ہو گیا۔

"بڑی دیر لگا دی بھائی۔ کہیں واپسی کا راستہ تو نہیں بھول گئے تھے یا بھابھی نے راستہ روک لیا تھا؟"

اذہان نے اپنی مخصوص شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ شہیر کا راستہ روکا۔ شہیر نے اسے ایک طرف ہٹانے کی کوشش کی مگر اذہان کہاں ٹلنے والا تھا۔ اس نے شہیر کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے صوفے کی طرف دھکیلا۔

"امی دیکھیں تو ذرا۔ شہیر بھائی کی آنکھوں کی چمک تو سورج کو مات دے رہی ہے۔ آج تو پکا کوئی بڑی خبر ہے۔"

ماہ رخ بیگم جو ابھی مصلے سے اٹھی تھیں اپنے بڑے بیٹے کے چمکتے چہرے کو دیکھ کر سب سمجھ گئیں۔ شہیر نے ان کے قریب جا کر ان کا ہاتھ تھاما اور دھیمی آواز میں اپنی مراد پا لینے کا ذکر

کیا۔یہ سن کر ماہ رخ بیگم کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک آئے۔انہوں نے شہیر کا سر چوم کر ڈھیروں دعائیں دیں اور ماتھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"تمہاری مراد پوری ہوئی بیٹا اب میرا بھی فرض ہے کہ اس خوشی کو پکا کروں۔بس تمہارے ابا کی برسی کا یہ ہفتہ گزر جائے پھر میں خود شگون لے کر انیقہ کے گھر جاؤں گی اور تم دونوں کا رشتہ طے کر آؤں گی۔"

اذہان نے یہ سنتے ہی ایک زوردار قہقہہ لگایا اور شہیر کے بال بکھیر دیے۔

"واہ امی یہ ہوئی نا بات۔یعنی اب اس گھر میں شہیر بھائی کی حکومت ختم اور انیقہ بھابھی کا راج شروع ہوگا۔بھائی ابھی سے تیاری کر لیں ورنہ بعد میں صرف شکایتیں ہی بچیں گی۔"

شہیر نے اسے گھورا مگر اس کے لہجے میں بھائی چارے کی مٹھاس واضح تھی۔

رات جب گہری ہوئی اور سارا گھر نیند کی آغوش میں چلا گیا تو شہیر بالکونی میں آ کھڑا ہوا۔چاند کی مدھم روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔اس نے انیقہ کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے آنے والی خاموشی بھی ہزاروں باتیں کر رہی تھی۔

"امی نے ہری جھنڈی دکھادی ہے۔وہ کہہ رہی ہیں کہ ٹھیک ایک ہفتے بعد وہ تمہارے گھر رشتہ لے کر آئیں گی۔"

شہیر کی بات سن کر انیقہ کی دبی دبی ہنسی نے رات کے سناٹے میں موسیقی گھول دی۔وہ دونوں آنے والے کل کے سنہری خوابوں میں کھوئے ہوئے تھے یہ جانے بغیر کہ تقدیر کے پردے کے پیچھے کچھ اور ہی لکھا جا چکا تھا۔آنے والا وہ ایک ہفتہ کسی پل کی طرح تھا جس کے دوسرے پار خوشیاں نہیں بلکہ ایک گہرا سناٹا ان کا منتظر تھا۔وہ اندھیرا جس کا ذکر اذہان کی چھٹی حس نے کیا تھا اب خاموشی سے ان کی زندگی کے روشن چراغوں کو گل کرنے کے لیے دہلیز پر دستک دے رہا تھا۔سب کچھ بدلنے والا تھا اور اس بدلاؤ کی آہٹ ابھی کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

کھانے کی میز پر برتنوں کی ہلکی سی آہٹ کے سوا خاموشی طاری تھی۔انیقہ کے والد بیرسٹر وقاص خان اپنی عینک درست کرتے ہوئے کسی قانونی فائل کا مطالعہ کر رہے تھے جبکہ ان

کی اہلیہ ثناء وقاص خاموشی سے انیقہ کو دیکھ رہی تھیں جو آج ضرورت سے زیادہ خاموش تھی اور نوالے محض توڑ رہی تھی۔

"پاپا مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا۔"

انیقہ کی آواز میں ایک تھرتھراہٹ تھی جس نے وقاص صاحب کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔ انہوں نے فائل بند کی اور اپنی گہری سنجیدہ نظریں بیٹی کے چہرے پر جمادیں۔ وقاص خان شہر کے مانے ہوئے وکیل تھے اور ان کی شخصیت کا رعب گھر کے در و دیوار پر بھی محسوس ہوتا تھا۔

"کہو بیٹا میں سن رہا ہوں۔"

انیقہ نے انگلیاں آپس میں پیوست کر لیں اور نظریں جھکا کر بولیں۔

"پاپا میں نے اپنی زندگی کے بارے میں ایک فیصلہ کیا ہے۔ ایک لڑکا ہے جسے میں پسند کرتی ہوں اور وہ بہت سلجھا ہوا انسان ہے۔ ان کے گھر والے بھی جلد آپ سے ملنے آنا چاہتے ہیں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وقاص صاحب کے چہرے پر ایک ٹھہراؤ سا آ گیا۔انہوں نے اپنی بیٹی کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی بلکہ ایک دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئے۔

"انیقہ بیٹی اگر تمہاری پسند ہے تو یقیناً وہ کوئی غیر معمولی انسان ہی ہو گا۔مجھے تمہارے انتخاب پر پورا بھروسہ ہے۔بس ایک بار میں خود اس سے ملنا چاہوں گا۔ویسے اس کا نام کیا ہے اور۔۔۔"

اسی لمحے وقاص صاحب کے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔دوسری طرف ان کا اسسٹنٹ کسی بہت اہم اور ہائی پروفائل کیس کے بارے میں اطلاع دے رہا تھا۔وقاص صاحب کے چہرے کے تاثرات لمحوں میں بدل گئے اور وہ تیزی سے کرسی چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔

"ثناء مجھے ابھی نکلنا ہو گا۔ایک بہت ضروری کیس ہاتھ آیا ہے جس کی فائل مجھے آج ہی دیکھنی ہے۔انیقہ بیٹا ہم شام کو اس پر تفصیل سے بات کریں گے۔ابھی مجھے ایک بہت بڑے مجرم کا دفاع کرنے کے لیے کچھ اہم ثبوت ترتیب دینے ہیں۔"

وہ اپنا کورٹ سنبھالتے ہوئے تیزی سے باہر نکل گئے بغیر یہ سنے کہ انیقہ کے لبوں پر کس کا نام ادھورا رہ گیا تھا۔انیقہ وہیں بیٹھی رہ گئی اس کا دل ابھی تک دھڑک رہا تھا۔وہ چاہ کر بھی شہیر کا نام ان تک نہ پہنچا سکی۔

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے جب شہیر نے گاڑی لائبریری کے باہر روکی۔انیقہ وہاں سے کچھ کتابیں لینے آئی تھی اور شہیر اسے لینے پہنچ گیا۔وہ باہر نکلی تو سفید رنگ کے دوپٹے میں لپٹی کسی پگھلتی چاندی جیسی لگ رہی تھی۔ شہیر نے اسے دیکھتے ہی ایک گہرا سانس بھرا۔

"تم اکثر سفید ہی کیوں پہنتی ہو؟"

شہیر نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔عنیقہ نے بیٹھتے ہی اسے دیکھا اور شرارت سے مسکرائی۔

"کیونکہ سفید رنگ میں کوئی ملاوٹ نہیں ہوتی شہیر بالکل سچ کی طرح۔کیوں؟اچھا نہیں لگ رہا؟"

شہیر نے گاڑی اسٹارٹ کی اور دھیرے سے بولا

"اتنا اچھا لگ رہا ہے کہ میرا دل کر رہا ہے وقت یہیں رک جائے نہ تم کہیں جاؤ نہ یہ شام ڈھلے۔"

عنقیہ نے جھینپ کر نظریں جھکا لیں اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی جہاں شہر کی روشنیاں ایک ایک کر کے جاگ رہی تھیں۔

"شہیر

"اس نے سرگوشی کی۔

"اگر کبھی یہ سب بدل گیا تو؟ اگر ہم ایسے ہی ساتھ نہ رہ پائے تو؟"

شہیر نے ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھالا اور دوسرے سے ڈیش بورڈ پر رکھی ایک چھوٹی سی ڈبیا نکالی۔

"یہ تمہارا وہم دور کرنے کے لیے ہے۔"

اس نے ڈبیا کھولی تو اندر ایک نازک سی چاندی کی زنجیر تھی جس میں ایک چھوٹا سا ستارہ لٹک رہا تھا۔

"انیقہ آسمان پر ہزاروں تارے ہوتے ہیں مگر قطب ستارہ اپنی جگہ نہیں بدلتا تاکہ مسافر راستہ نہ بھٹک جائیں۔ میرے لیے وہ ستارہ تم ہو۔ دنیا ادھر سے اُدھر ہو جائے شہیر کے راستے ہمیشہ تم پر ہی ختم ہوں گے۔"

عنقیہ کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ اس نے وہ زنجیر اپنے ہاتھ میں لی جیسے وہ کوئی بہت قیمتی خزانہ ہو۔

"وعدہ کریں شہیر آپ کبھی مجھے اس اندھیرے میں اکیلا نہیں چھوڑیں گے جس سے مجھے ڈر لگتا ہے۔"

شہیر نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بھرپور یقین سے کہا

"اندھیرے کی اتنی اوقات نہیں کہ وہ میری جیتے جی تمہارے پاس بھی آسکے۔ میں ہوں نا تمہارا محافظ، تمہارا شہیر۔"

وہ دونوں اس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ تقدیر ان کے ان جذباتی جملوں پر مسکرا رہی تھی۔ شہیر نے جس اندھیرے کو للکارا تھا وہ ان کی دہلیز کے اس پار اپنا جال بن رہا تھا۔ وہ

ستارہ جو راستہ دکھانے کے لیے تھا بہت جلد ٹوٹ کر ایک ایسی لکیر چھوڑنے والا تھا جسے عنیقہ عمر بھر اپنی آنکھوں کے پانی سے دھوتی رہتی۔

کالج سے واپسی پر اذہان کی حالت کسی ہارے ہوئے سپاہی جیسی تھی مگر جیسے ہی گلی کے موڑ پر اسے وہ جانی پہچانی شکل نظر آئی اس کی ساری تھکن ہوا ہو گئی۔ حبا ہمیشہ کی طرح اپنے مخصوص ٹشن میں کھڑی تھی شاید دہی لینے نکلی تھی مگر اس وقت اس کی پوری توجہ ہاتھ میں پکڑی پاپڑی پر تھی جسے وہ بڑے اطمینان سے چبا رہی تھی۔

"اوئے چھپکلی! تو پھر سے شروع ہو گئی؟ تجھے ڈر نہیں لگتا کہ کسی دن تو خود بھی پاپڑی بن جائے گی؟"

اذہان نے قریب پہنچتے ہی اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔ حبا نے تلملا کر اسے دیکھا اور فوراً اپنا رخ موڑا۔

"تم سے مطلب؟ اور یہ بد تمیزی اپنے پاس رکھو اذہان قریشی! ویسے بھی تمہارے دماغ میں تو بھس بھرا ہے تمہیں کیا پتہ کہ اس پاپڑی کا ذائقہ کیا ہے۔"

حبا نے نتھنے پھلاتے ہوئے اسے کرارا جواب دیا۔اذہان نے اپنا ایک کندھا اچکایا اور اس کے برابر چلنے لگا۔

"ہاں ہاں ہمیں تو کچھ پتہ ہی نہیں نہ۔ویسے سنا ہے 'ملکہ الزبتھ 'یعنی ہمارے شہیر بھائی آج کل ہواؤں میں اڑ رہے ہیں۔امی نے رشتہ لے جانے کی ہری جھنڈی کیا دی بھائی تو اب زمین پر پاؤں ہی نہیں رکھتے۔"

حبا نے ایک لمحے کے لیے اپنی پاپڑی کھانا روکی اور اسے جتانے والے انداز میں دیکھا۔

"تمہاری طرح تھوڑی ہیں وہ۔شہیر بھائی تو اتنے سلجھے ہوئے ہیں بیچاری انیقہ باجی کا سوچ کر مجھے ابھی سے دکھ ہو رہا ہے کہ انہیں تم جیسا 'آفت کا پرکار 'دیور ملے گا۔"

"اچھا جی؟اور جو میں نے تمہارے سارے میتھس کے سوال حل کیے تھے وہ کیا تھا؟"اذہان نے مصنوعی غصے سے اسے گھورا۔حبا نے مسکراتے ہوئے اپنے گھر کے گیٹ کی طرف قدم بڑھائے۔

"وہ تو تمہارا فرض تھا آخر تم ہو کس کام کے؟خیر کل ٹائم پر آجانا ورنہ میں نے آنٹی سے تمہاری ساری شکایتیں کر دینی ہیں۔"

حبا اندر چلی گئی مگر جاتے جاتے اس کی آنکھوں میں وہ چھوٹی سی شرارت اور اپنائیت تھی جو صرف ان دونوں کے درمیان تھی۔اذہان وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا اس کے لبوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ تھی۔اسے محسوس ہی نہیں ہوا کہ اس وقت ہوا میں ایک عجیب سی خنکی بڑھ گئی تھی۔اچانک اسے ایسا لگا جیسے کسی نے دور سے اس کا نام پکارا ہو۔اس نے مڑ کر دیکھا گلی سنسان تھی مگر ایک عجیب سا بوجھل پن اس کے گرد پھیلنے لگا۔وہ ہنستا کھیلتا اذہان جو ابھی حبا کو تنگ کر رہا تھا ایک دم خاموش ہو گیا۔اسے وہی پرانا احساس ہونے لگا کہ یہ خوشیاں یہ نوک جھونک یہ سب کچھ ریت کی دیوار ثابت ہونے والا ہے۔وہ اندھیرا جس کا اسے ڈر تھا اب صرف وسوسہ نہیں رہا تھا وہ حقیقت بننے کے لیے پر تول رہا تھا۔

رات کے پچھلے پہر جب پورے گھر پر خاموشی طاری تھی شہیر اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑا تارے گن رہا تھا کہ اچانک پیچھے سے کسی نے اس کے کندھے پر زور سے ہاتھ مارا۔شہیر اچھل پڑا مڑ کر دیکھا تو اذہان دانت نکالے کھڑا تھا۔

"یار اب بس بھی کر دے اتنے تارے تو انیقہ بھابھی کے نکاح کے دوپٹے پر بھی نہیں ہوں گے جتنے تم آج ایک ہی رات میں گن لینا چاہتے ہو۔"

شہیر نے پہلے اسے گھورا پھر ایک دم مسکرا دیا۔اس نے اذہان کو بازو سے پکڑ کر اپنے قریب کر لیا۔

"تم سوئے نہیں اب تک؟ کل کالج نہیں جانا کیا؟"

اذہان نے بالکونی کی منڈیر پر بیٹھتے ہوئے پاؤں ہلائے۔

"نیند کسے آتی ہے بھائی؟ میں سوچ رہا تھا کہ جب تمہاری شادی ہو جائے گی تو میرے ساتھ کرکٹ کون کھیلے گا؟ اور میرے میتھس کے گندے سوالوں پر مجھے کون ڈانٹے گا؟"

شہیر نے اس کے بالوں کو پیار سے بگاڑا جیسے وہ اب بھی وہی چھوٹا سا بچہ ہو جو اندھیرے سے ڈر کر شہیر کے بستر میں گھس جاتا تھا۔

"پاگل ہو کیا؟ میں کہیں جا تھوڑی رہا ہوں۔انیقہ کے آنے سے میرا اور تمہارا رشتہ تھوڑی بدل جائے گا۔تم ہمیشہ میرے چھوٹے بھائی ہی نہیں میرے بہترین دوست رہو گے۔"

اذہان کا چہرہ ایک لمحے کے لیے سنجیدہ ہوا۔اس نے شہیر کا ہاتھ تھاما۔

"وعدہ کر بھائی؟ چاہے کچھ بھی ہو جائے تم میرا ساتھ کبھی نہیں چھوڑو گے۔پتا نہیں کیوں آج دل بہت گھبرا رہا ہے جیسے یہ سکون بس ایک دھوکہ ہو۔"

شہیر نے اذہان کی آنکھوں میں چھپا خوف دیکھا تو اس کا اپنا دل بھی ایک لمحے کو لرز گیا مگر اس نے خود کو سنبھالا۔اس نے اذہان کو کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"ابھی تو میں زندہ ہوں اذہان۔جب تک تمہارا بڑا بھائی تمہارے ساتھ ہے تمہیں کسی چیز سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔میں تمہاری ڈھال بن کر کھڑا رہوں گا ہمیشہ۔"

اذہان نے شہیر کی قمیص کو سختی سے مٹھی میں جکڑ لیا جیسے اسے ڈر ہو کہ اگر اس نے ہاتھ چھوڑا تو شہیر کہیں غائب نہ ہو جائے۔اس رات ان دونوں بھائیوں کے درمیان وہ ان کہی گفتگو ہوئی جو لفظوں کی محتاج نہیں تھی۔شہیر کا ہاتھ اذہان کی پیٹھ پر تھپکیاں دیتا رہا اسے تسلی دیتا رہا جبکہ باہر آسمان پر چھایا اندھیرا اب آہستہ آہستہ ان کے گھر کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے قریب آ رہا تھا۔

رات کے بارہ بج رہے تھے جب شہیر یونیورسٹی کی پارٹی سے واپسی کے لیے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ سیاہ رنگ کی شرٹ اس کی شخصیت پر خوب جچ رہی تھی مگر اس کے چہرے پر تھکن کے ساتھ ساتھ ایک عجیب سی بے چینی تھی۔ اس کے ساتھ اس کے دو دوست بھی گاڑی میں سوار ہوئے اور ہنسی مذاق کا وہی سلسلہ شروع ہو گیا جو ہر نوجوان محفل کا خاصہ ہوتا ہے۔ گاڑی ابھی مین روڈ پر ہی پہنچی تھی کہ سامنے سے ایک موٹر سائیکل سوار نوجوان تیزی سے لہراتا ہوا نکلا۔ وہ بمشکل پندرہ سولہ سال کا لڑکا تھا جو ون ویکنگ کرتے ہوئے اپنی اور دوسروں کی زندگی داؤ پر لگا رہا تھا۔ شہیر نے ایک دم بریک لگائی۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔

"پاگل ہے کیا یہ لڑکا؟ ابھی کسی کے نیچے آجاتا۔"

شہیر نے غصے اور ہمدردی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ گاڑی سڑک کے کنارے روکی اور باہر نکل آیا۔

وہ لڑکا اپنی موٹر سائیکل روک کر وہیں کھڑا ہو گیا۔ شہیر اس کے قریب پہنچا اور بڑے بھائیوں والے انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"بچے! یہ کیا کر رہے ہو؟ زندگی بہت قیمتی ہے یار۔اپنا نہیں تو کم از کم اپنے گھر والوں کا سوچو تمہاری ماں تمہارا انتظار کر رہی ہو گی۔"

نصیحت کے یہ دو بول اس مغرور لڑکے کو ناگوار گزرے۔

"اوئے میاں اپنی نصیحت اپنے پاس رکھو ہمیں مت سکھاؤ کہ کیا کرنا ہے۔"

اس نے بد تمیزی سے شہیر کا ہاتھ جھٹک دیا اور فون نکال کر کسی کو کال کرنے لگا۔ٹھیک اسی لمحے شہیر کی جیب میں رکھا فون تھرتھرایا۔اسکرین پر 'اذہان' کا نام چمک رہا تھا۔شہیر نے فون کان سے لگایا۔

"ہاں اذہان بس راستے میں ہوں آرہا ہوں۔"شہیر کی آواز دھیمی اور پر سکون تھی۔

"بھائی آپ ابھی تک نہیں پہنچا؟ امی بار بار پوچھ رہی ہیں۔اور وہ میرا میتھس کا سوال ابھی تک حل نہیں ہوا جلدی آنا"دوسری طرف اذہان کی آواز میں وہی لاڈ اور بے فکری تھی۔

شہیر مسکرایا۔

"آرہا ہوں میرے بھائی بس پانچ منٹ۔۔۔"

شہیر کی بات ابھی ادھوری تھی کہ اچانک دو گاڑیاں چیختی ہوئی وہاں آکر رکیں۔ان میں سے چند غصے سے بھرے نوجوان اسلحہ لہراتے ہوئے باہر نکلے۔ شہیر کا دوست گاڑی سے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ ایک گولی کی آواز نے فضا کا سینہ چاک کر دیا۔

"شہیر "اذہان نے فون کے دوسری طرف گولی کی دھاڑ سنی تو اس کا دل حلق میں آگیا۔

"بھائی! یہ کیسی آواز تھی؟ بھائی بول!"

شہیر ابھی سنبھلنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ ایک اور گولی سیدھی اس کے سینے کے پار ہو گئی۔ وہ سیاہ شرٹ جو ابھی تک استانی ہوئی تھی اب خون سے تر ہونے لگی۔ شہیر کا توازن بگڑا اور وہ اوندھے منہ سڑک کے ٹھنڈے فرش پر جا گرا۔اس کا فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا مگر لائن ابھی تک کٹی نہیں تھی۔

"شہیر! شہیر بول نا! کیا ہوا ہے؟ خدا کے لیے کچھ بول!"اذہان کی چیخیں فون کے اسپیکر سے نکل کر سنسان سڑک پر گونج رہی تھیں مگر جواب دینے والا اب لب سی چکا تھا۔ شہیر کے دوست کی ٹانگ میں بھی گولی لگی تھی اور وہ درد سے کرا رہا تھا جبکہ حملہ آور اپنی گاڑیوں کے ٹائروں کا دھواں چھوڑتے ہوئے فرار ہو چکے تھے۔

سڑک کے بیچ و بیچ شہیر قریشی اوندھے منہ پڑا تھا اس کی سیاہ شرٹ اب گیلی ہو کر زمین سے چپک گئی تھی۔دور کہیں اذہان کی آواز مدھم ہوتی جا رہی تھی اور شہیر کی آنکھوں کے سامنے وہ اندھیرا مکمل طور پر چھا گیا تھا جس کی پیش گوئی اذہان کی چھٹی حس نے بہت پہلے کر دی تھی۔

اذہان کے ہاتھ سے فون چھوٹ کر قالین پر جا گرا مگر اس میں سے اب بھی شہیر کے دوست کی کراہیں اور سڑک کا شور سنائی دے رہا تھا۔اس کے ذہن میں صرف ایک ہی صدا گونج رہی تھی——وہ گولی کی دھاڑ۔وہ بنا کچھ سوچے بنا کسی کو بتائے پاگلوں کی طرح گیٹ کی طرف بھاگا اور بائیک اسٹارٹ کی۔اس کے ہاتھ اس قدر کانپ رہے تھے کہ چابی لگانے میں بھی کئی سیکنڈ ضائع ہو گئے۔

"یا اللہ! میرے بھائی کی حفاظت کرنا یا اللہ وہ ٹھیک ہو"

وہ تیز رفتاری سے بائیک دوڑاتا ہوا اسی سڑک کی طرف لپکا جہاں شہیر نے لوکیشن بتائی تھی۔ٹھنڈی ہوا اس کے چہرے سے ٹکرا رہی تھی مگر اسے محسوس نہیں ہو رہی تھی اس کا

پورا وجود پسینے میں شرابور تھا۔دور سے اسے شہیر کی گاڑی کی ہیڈ لائٹس نظر آئیں جو سڑک کے کنارے کھڑی تھیں۔گاڑی کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا تھا جیسے کوئی ابھی ابھی باہر نکلا ہو۔ اذہان نے بائیک وہیں پٹخی اور بھاگتا ہوا گاڑی کے قریب پہنچا مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔زمین پر نظر پڑی تو شہیر کا فون پڑا تھا جس کی اسکرین ٹوٹ چکی تھی مگر اس پر ابھی تک کال چل رہی تھی۔اذہان کا دل ڈوبنے لگا۔اس نے لرزتی نظروں سے سڑک کے بیچوں بیچ دیکھا جہاں اسٹریٹ لائٹ کی مدھم روشنی پڑ رہی تھی۔وہاں ایک سیاہ سایہ اوندھے منہ پڑا تھا۔

"بھائی۔۔۔؟"

اذہان کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔اس کے قدم من من بھر کے ہو گئے تھے۔وہ گھسیٹتے ہوئے قدموں سے اس وجود کی طرف بڑھا۔جیسے جیسے وہ قریب آ رہا تھا سڑک پر پھیلا وہ سیاہ لوتھڑا واضح ہوتا جا رہا تھا۔وہ شہیر ہی تھا اس کی پسندیدہ سیاہ شرٹ اب سڑک کے گرد و غبار اور خون سے اٹی ہوئی تھی۔

اذہان چیخنا چاہتا تھا مگر اس کے سینے سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔وہ شہیر کے پاس گھٹنوں کے بل گرا۔اس کے ہاتھ ہوا میں معلق تھے اسے ڈر لگ رہا تھا کہ اگر اس نے چھوا تو شاید

کوئی تلخ حقیقت سامنے آجائے گی۔اس نے ہمت جمع کی اور لرزتے ہاتھوں سے شہیر کے کاندھے کو پکڑ کر اسے آہستہ سے سیدھا کیا۔

جیسے ہی شہیر کا چہرہ سامنے آیا اذہان کی روح تک کانپ گئی۔ شہیر کی وہ بھوری آنکھیں جو ہمیشہ شفقت سے لبریز ہوتی تھیں اب آدھی کھلی تھیں اور بے نور ہو چکی تھیں۔اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے جم گئے تھے اور لبوں کے کنارے سے خون کی ایک باریک لکیر اس کی گردن تک جا رہی تھی۔

"شہیر۔۔۔ شہیر بھائی! اٹھیں نا دیکھیں میں آگیا ہوں"

اذہان نے شہیر کا سر اپنی گود میں رکھا اور اس کے چہرے کو تھپتھپانے لگا۔"بھائی مذاق مت کریں آپ نے تو کہا تھا نہ کہ آپ میری ڈھال بنیں گے؟ آپ نے تو کہا تھا کہ پانچ منٹ میں گھر پہنچیں گے؟ امی انتظار کر رہی ہیں بھائی اٹھیں"

اذہان نے شہیر کو سینے سے لگا لیا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔اس کی چیخیں رات کے سناٹے کو چیر رہی تھیں مگر شہیر کا جسم آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہو رہا تھا۔وہ بھائی جو تھوڑی دیر پہلے فون پر اسے میتھس کے سوال سمجھانے کا وعدہ کر رہا تھا اب خود زندگی کا سب سے مشکل

سوال اس کی گود میں چھوڑ کر خاموش ہو چکا تھا۔ سڑک کا وہ حصہ اب صرف خون سے نہیں بلکہ ایک بھائی کے ارمانوں سے بھی بھر چکا تھا۔

سڑک پر پھیلے اس سکوت کو شہیر کے زخمی دوست سعد کی کراہوں نے توڑ دیا۔ وہ اپنی ٹانگ سے بہتے خون کو دونوں ہاتھوں سے تھامے سڑک پر گھسٹتا ہوا شہیر اور اذہان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ درد اور خوف سے سفید پڑ چکا تھا۔

"اذہان۔۔۔ شہیر کو۔۔۔ شہیر کو ہسپتال لے چلو" طلحہ کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔

اذہان نے بیگانہ وار نظروں سے سعد کو دیکھا جیسے اسے یاد ہی نہ ہو کہ وہاں کوئی اور بھی موجود ہے۔ اسی لمحے گاڑی کی دوسری سمت سے ان کا تیسرا دوست حارث لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ برآمد ہوا۔ وہ حملے کے وقت گاڑی کی پچھلی نشست پر دھنس گیا تھا اور خوف کے مارے اس کی آواز سلب ہو چکی تھی۔ اب جب حملہ آور جا چکے تھے تو وہ کسی مشین کی طرح چلتا ہوا شہیر کے قریب آیا۔

"شہیر؟" حارث نے لرزتی آواز میں پکارا اور پھر جب اس کی نظر سڑک پر پھیلے لہو کے تالاب پر پڑی تو اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

"یہ کیا ہو گیا؟ یہ سب کیا ہو گیا؟ میں نے اسے روکا تھا میں نے کہا تھا شہیر مت اترو گاڑی سے مت سمجھاؤ اسے۔۔۔پر اس نے نہیں مانی"

حارث وہیں سڑک کے کنارے بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔اس کا پچھتاوا رات کی ہواؤں میں زہر گھول رہا تھا۔

اذہان نے ان دونوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔وہ شہیر کے بے جان وجود کو اپنے ساتھ لگائے ہولے ہولے جھول رہا تھا جیسے کسی بچے کو لوری دے کر سلا رہا ہو۔اس کے سفید کپڑے اب پوری طرح شہیر کے خون سے رنگ چکے تھے۔

"سعد گاڑی کی چابی لاؤ"

حارث اچانک چیخا جیسے اسے ہوش آ گیا ہو۔

"ہمیں اسے ابھی لے کر جانا ہو گا شاید۔۔۔شاید کوئی سانس باقی ہو"

سعد نے کانپتے ہاتھوں سے سڑک پر گری چابیاں حارث کی طرف پھینکیں۔حارث نے بھاگ کر گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے شہیر کے قریب لایا۔

"اذہان بھائی ہوش کرو اسے گاڑی میں ڈالنے میں میری مدد کرو"

حارث نے اذہان کے شانے کو جھنجھوڑا۔

اذہان نے خالی خالی نظروں سے حارث کو دیکھا۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ لوگ شہیر کو اس سے دور کیوں لے جانا چاہتے ہیں۔اس نے شہیر کی سرد ہوتی پیشانی پر اپنا سر رکھ دیا اور ایک ایسی سسکی بھری جو شاید آسمان کا دل بھی چیر دیتی۔

"یہ نہیں اٹھے گا حارث اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا ہے اس نے وعدہ توڑ دیا ہے۔"

حارث اور زخمی سعد نے مل کر بڑی مشکل سے شہیر کے ساکت وجود کو گاڑی کی پچھلی نشست پر منتقل کیا۔اذہان اب بھی شہیر کا ہاتھ تھامے اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔گاڑی جب ہسپتال کی طرف روانہ ہوئی تو سڑک پر صرف خون کے نشان اور شہیر کا وہ ٹوٹا ہوا فون رہ گیا تھا جس کی اسکرین پر ابھی تک گھر سے آتی ہوئی ماہ رخ بیگم کی مسلسل کالز چمک رہی تھیں۔

وہ اندھیرا جس کا خوف تھا اب ان کی تقدیر کا مستقل حصہ بن چکا تھا۔

ایمبولینس کے سائرن کی آواز جب گلی میں گونجی تو جیسے اس پر سکون محلے کا دم گھٹنے لگا۔ سفید اور سرخ روشنیوں نے قریشی ہاؤس کی دیواروں پر ماتمی رنگ بکھیر دیے تھے۔ماہ رخ بیگم جو تھوڑی دیر پہلے تک مصلے پر بیٹھی شہیر کی خیر کی دعائیں مانگ رہی تھیں سائرن کی آواز سن کر ننگے پاؤں باہر کی طرف بھاگیں۔نورا بھی ان کے پیچھے ہی تھی اس کے دل کی دھڑکنیں اس کے حلق میں بج رہی تھیں۔ باہر کا نظارہ روح کو فنا کر دینے والا تھا۔ایمبولینس کا پچھلا دروازہ کھلا اور اسٹریچر پر ایک وجود سفید چادر میں لپٹا ہوا تھا جس پر جابجا خون کے سرخ دھبے کسی بہت بڑے سانحے کی گواہی دے رہے تھے۔اذہان اسٹریچر کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اس کا چہرہ سپید پڑ چکا تھا اور کپڑے شہیر کے لہو سے تر تھے۔

"میرا بچہ میرا شہیر کہاں ہے؟"

ماہ رخ بیگم کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔جب اسٹریچر صحن کے بیچوں بیچ رکھا گیا اور چادر ہٹائی گئی تو ایک قیامت صغریٰ برپا ہو گئی۔ماہ رخ بیگم نے اپنے بیٹے کے ساکت اور ٹھنڈے

چہرے کو دیکھا تو ان کے منہ سے ایک ایسی دلخراش چیخ نکلی جس نے رات کے سناٹے کے پرخچے اڑا دیے۔ وہ وہیں زمین پر ڈھیر ہو گئیں۔

"شہیر بھائی اٹھیں نا! دیکھیں نورا آ گئی ہے بھائی اٹھیں" نورا نے دیوانہ وار شہیر کا ہاتھ تھام کر اسے جھنجھوڑا مگر وہ ہاتھ برف کی طرح ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ وہ بار بار شہیر کے سینے پر سر رکھ کر اسے پکار رہی تھی جیسے اس کی پکار شہیر کی تھمی ہوئی دھڑکنوں کو دوبارہ جگا دے گی۔

سامنے والے گھر سے حبا اور اس کے والدین بھی بھاگتے ہوئے آ پہنچے۔ حبا نے جب اذہان کی یہ حالت دیکھی اور اسٹریچر پر شہیر کی میت پڑی پائی تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ جو ہمیشہ اذہان سے لڑتی رہتی تھی آج اسے دیکھ کر پتھر کی ہو گئی۔ اذہان کے چہرے پر کوئی آنسو نہیں تھا وہ بس ایک ٹک شہیر کے بے جان چہرے کو دیکھ رہا تھا جیسے وہ ابھی اٹھ کر کہے گا کہ 'اذہان چلو کرکٹ کھیلتے ہیں'۔

حبا کی ماں نے آگے بڑھ کر ڈھیر ہوتی ہوئی ماہ رخ بیگم کو سنبھالا جبکہ حبا کے والد نے اذہان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ اذہان نے مڑ کر دیکھا اس کی آنکھیں اتنی خالی تھیں کہ دیکھنے والے کا کلیجہ منہ کو آ جائے۔

"انکل۔۔۔وہ کہہ رہا تھا پانچ منٹ میں پہنچ جائے گا۔۔۔اس نے وعدہ کیا تھا۔"

اذہان کی آواز کسی شکستہ ساز کی طرح تھی۔حباخاموشی سے اذہان کے پاس کھڑی ہو گئی۔اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اذہان کا دکھ بانٹ لے اسے دلاسہ دے مگر وہ خود اس قدر صدمے میں تھی کہ اس کے لب ہلنے سے قاصر تھے۔اس لمحے اس گلی کے ہر گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی تھی۔وہ شہیر جو محلے کی جان تھا آج سب کو تڑپتا چھوڑ کر ایک ایسی بستی کا مسافر بن گیا تھا جہاں سے کوئی پلٹ کر نہیں آتا۔

جب انیقہ کو یہ خبر ملی تو اس کی پوری کائنات ایک لمحے میں ریزہ ریزہ ہو گئی۔وہی شہیر جس کے ساتھ وہ کل مستقبل کے سپنے بن رہی تھی آج ایک خبر کی صورت اس کے سامنے تھا۔شہیر کے دوستوں نے جب اسے روتے ہوئے کال کر کے رات کا سارا ماجرا سنایا تو انیقہ کے ہاتھ سے فون گر کر فرش پر بکھر گیا بالکل ویسے ہی جیسے اس کی زندگی بکھرنے والی تھی۔

اگلے دن کا سورج نکلا تو تھا مگر قریشی ہاؤس کی فضاؤں میں صرف سوگ اور آہوں کا بسیرا تھا۔

باہر گلی میں سفید شامیانہ لگ چکا تھا اور لوگوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔انیقہ جب وہاں پہنچی تو اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔اس نے سفید لباس پہنا تھا وہی رنگ جو شہیر کو پسند تھا مگر آج اس سفید رنگ میں کوئی چمک نہیں تھی صرف ایک جان لیوا خاموشی تھی۔

صحن میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر اس چارپائی پر پڑی جہاں شہیر کا وجود سبز چادر میں چھپا ہوا تھا۔انیقہ کا کلیجہ جیسے کسی نے مٹھی میں دبا لیا ہو۔وہ لڑکھڑاتے قدموں سے ماہ رخ بیگم کے پاس پہنچی جو اب پتھر کی مورتی بن چکی تھیں۔

"آنٹی" انیقہ کے لبوں سے نکلی یہ پہلی صدا تھی جو سسکیوں میں بدل گئی۔

ماہ رخ بیگم نے خالی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر اسے گلے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں

"دیکھو انیقہ تم نے تو ایک ہفتے بعد آنا تھا تم تو اس گھر کی رونق بننے والی تھی۔۔۔دیکھو میرا شہیر تم سے ملے بغیر ہی چلا گیا۔"

حبا جو وہیں نورا کو سنبھال رہی تھی انیقہ کو دیکھ کر مزید تڑپ اٹھی۔انیقہ نے ہمت جمع کی اور اس جگہ پہنچی جہاں شہیر کا چہرہ آخری دیدار کے لیے کھلا تھا۔شہیر کا چہرہ بالکل پر سکون تھا جیسے وہ کوئی بہت گہری نیند سو رہا ہو۔

"آپ نے کہا تھا نہ شہیر کہ اندھیرے کی اتنی اوقات نہیں کہ وہ آپ کے جیتے جی میرے پاس آسکے۔دیکھیں آپ نے تو آنکھیں ہی موند لیں اب میں اس اندھیرے سے کیسے لڑوں گی؟"

انقیہ نے شہیر کے بے جان ہاتھ کو چھوا تو اس کی برف جیسی ٹھنڈک نے اس کے پوروں کو جلا کر رکھ دیا۔اسے کل والی وہ شام یاد آئی،وہ کافی،وہ مسکراہٹ اور وہ وعدے۔اسے وہ الفاظ یاد آئے کہ "شہیر کے راستے تم پر ہی ختم ہوں گے"۔آج وہ راستہ سچ مچ ایک قبرستان کی طرف مڑ چکا تھا۔

دوسری طرف اذہان کسی دیوار سے لگ کر بیٹھا زمین کو گھور رہا تھا۔اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ چکے تھے اور اس کی خاموشی چیخ چیخ کر اپنے بھائی کو پکار رہی تھی۔جب جنازہ

اٹھانے کا وقت آیا تو اذہان نے آخری بار شہیر کے ماتھے پر بوسہ دیا اور کندھا دینے کے لیے آگے بڑھا۔

جنازہ گھر سے نکلا تو ایک کہرام مچ گیا۔انیقہ نے دھندلائی ہوئی نظروں سے شہیر کے آخری سفر کو دیکھا۔اسے وہ ادھوری بات یاد آئی جو وہ اپنے باپ کو بتانے والی تھی۔اسے نہیں معلوم تھا کہ تقدیر نے اس کی محبت کا ایسا خراج مانگا ہے جو اس کے اپنے باپ کے ہاتھوں ہی پورا ہونا تھا۔شہیر جا چکا تھا مگر اپنے پیچھے ایک ایسا طوفان چھوڑ گیا تھا جس نے ابھی بہت سے گھروں کو اجاڑنا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

عدالت کا کمرہ کسی مچھلی منڈی کی طرح بھرا ہوا نہیں تھا بلکہ وہاں ایک ایسی بوجھل اور دم گھٹتی ہوئی خاموشی تھی جو صرف انصاف کے قتل سے پہلے محسوس ہوتی ہے۔بیرسٹر وقاص خان اپنے مخصوص سیاہ گاؤن میں ملبوس فائلیں ترتیب دیتے ہوئے بالکل پرسکون نظر آ رہے تھے۔ان کے لیے یہ محض ایک اور ہائی پروفائل کیس تھا جس میں انہیں اپنے موکل،ل یعنی اس بااثر گھرانے کے چشم و چراغ کو بچانا تھا جس نے سرِعام ایک معصوم کا لہو بہایا تھا۔

اذہان کٹہرے کے پاس کھڑا وقاص صاحب کو دیکھ رہا تھا۔اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ شخص انیقہ کا باپ ہے اسے تو بس اس بات کی تکلیف تھی کہ یہ شخص اس کے بھائی کے قاتلوں کی ڈھال بنا ہوا ہے۔

"جج صاحب میرے موکل پر لگائے گئے تمام الزامات بے بنیاد ہیں۔"

وقاص صاحب کی کھنکھناتی ہوئی آواز کمرہ عدالت میں گونجی۔

"استغاثہ کے پاس اس کے سوا کوئی ثبوت نہیں کہ وہاں چند لڑکے موجود تھے۔"

شہیر کے دوست سعد کو گواہی کے لیے بلایا گیا۔سعد لڑکھڑاتے قدموں سے کٹہرے میں آ کھڑا ہوا۔اس کی ٹانگ پر ابھی تک پٹی بندھی تھی مگر اس کی آنکھوں میں وہ چمک نہیں تھی جو سچ بولنے والوں کی ہوتی ہے۔وہ بار بار پیچھے بیٹھے ان بااثر لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا جن کی نظریں کسی شکاری کی طرح اس پر جمی تھیں۔اس کے بوڑھے باپ کو صبح ہی دھمکی دی گئی تھی کہ اگر بیٹے نے زبان کھولی تو اگلا جنازہ ان کے گھر سے اٹھے گا۔

"سعد کیا آپ حلفاً کہہ سکتے ہیں کہ گولی چلانے والا یہی لڑکا تھا؟"

سرکاری وکیل نے سوال کیا۔سعد کا حلق خشک ہو گیا۔اس نے ایک نظر اذہان کی طرف دیکھا جو امید بھری نظروں سے اسے تک رہا تھا۔پھر اس نے سر جھکا لیا۔

"نہیں۔اندھیرا بہت تھا۔میں نے گولی چلانے والے کا چہرہ نہیں دیکھا۔"

کمرہ عدالت میں ایک سرگوشی اٹھی۔اذہان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

"سعد یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟تم نے تو خود اسے دیکھا تھا"اذہان چلایا مگر جج نے ہتھوڑا مار کر اسے خاموش کروا دیا۔

وقاص صاحب کے لبوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ آئی۔

"جج صاحب جب عینی شاہد ہی منکر ہے تو میرے موکل کو مزید حوالات میں رکھنا آئین کے خلاف ہے۔"

انہوں نے ایک ایک کر کے شہیر کے دوسرے دوستوں کی گواہیاں بھی محض اپنے لفظوں کے جال سے مٹی میں ملا دیں۔جج جس کی جیب پہلے ہی بھاری کی جا چکی تھی نے قلم اٹھایا اور فیصلہ سنانا شروع کیا۔

"عدالت استغاثہ کے کمزور ثبوتوں اور گواہان کے بیانات کی روشنی میں ملزمان کو ضمانت پر رہا کرنے کا حکم دیتی ہے۔"

ہتھوڑے کی وہ دستک اذہان کے دل پر لگی۔اسے لگا جیسے شہیر کا قتل آج دوبارہ ہوا ہو۔وہ وہیں فرش پر بیٹھ گیا۔دوسری طرف وقاص صاحب اپنی فائلیں سمیٹ کر باہر نکل رہے تھے۔ان کے چہرے پر ایک پیشہ ورانہ اطمینان تھا یہ سوچے بغیر کہ جس مقتول کا نام فائل میں شہیر قریشی لکھا تھا وہ وہی لڑکا تھا جس کے لیے ان کی اپنی بیٹی جیتے جی مر چکی تھی۔

عدالت کے باہر نکلتے ہوئے وقاص صاحب کا سامنا اذہان سے ہوا۔اذہان کی خون آلود آنکھوں نے وقاص صاحب کو ایک لمحے کے لیے ٹھٹکنے پر مجبور کر دیا مگر وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے۔اندھیرا اب صرف سڑکوں پر نہیں انصاف کی کرسی پر بھی چھا چکا تھا۔

عدالت کی اس ذلت آمیز ناکامی نے اذہان کے اندر کے لاڈلے بچے کو مار کر ایک زخمی شیر کو جنم دے دیا تھا۔وہ اب روتا نہیں تھا بلکہ اس کی آنکھیں ہر وقت کسی انتقام کی آگ میں جلتی تھیں۔اس نے دن رات ایک کر کے اس سڑک کے آس پاس لگے سی سی ٹی وی کیمروں کی

فوٹیج نکلوائی ان لوگوں کو ڈھونڈا جنہوں نے ڈر کے مارے زبان بند کر لی تھی اور وہ تمام ثبوت اکٹھے کیے جو اس کے بھائی کے لہو کا حساب دے سکیں۔

دوسری طرف وقاص صاحب کے گھر میں آج ایک خاموش طوفان چھپا ہوا تھا۔انیقہ اپنے کمرے میں ساکت بیٹھی تھی کہ اس کی نظر میز پر رکھی اپنے والد کی فائل پر پڑی۔"شہیر قریشی قتل کیس"۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔لرزتے ہاتھوں سے اس نے فائل کھولی۔وہی تاریخ،وہی وقت، وہی جگہ اور وہی نام جس نے اس کی روح میں زندگی بھری تھی۔اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔اس کا اپنا باپ ان درندوں کو بچا رہا تھا جنہوں نے شہیر کو چھینا تھا؟

وقاص صاحب جب کمرے میں داخل ہوئے تو انیقہ کو اپنی فائل کے ساتھ دیکھ کر ٹھٹک گئے۔

"پاپا۔۔۔یہ کیا ہے؟"

عنیقہ کی آواز میں وہ کرب تھا جو وقاص صاحب نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔

"بیٹا یہ میرا کام ہے۔تم ان چیزوں سے دور رہا کرو۔"

وقاص صاحب نے نرمی سے کہنا چاہا مگر انیقہ کی آنکھوں سے گرنے والے آنسوؤں نے انہیں خاموش کر دیا۔

"کام؟ پاپا یہ جس لڑکے کا قتل ہوا ہے یہ وہی شہیر ہے جس کا نام میں اس رات آپ کو نہیں بتا پائی تھی۔ یہ وہ انسان تھا جس کے ساتھ میں نے اپنی پوری زندگی کے خواب بنے تھے۔ آپ نے انصاف کے نام پر میری زندگی کے قاتلوں کو آزاد کروا دیا؟"

وقاص صاحب کے ہاتھ سے فائل گر گئی۔ بیرسٹر وقاص قریشی جو عدالتوں میں بڑے بڑے ججوں کو لاجواب کر دیتے تھے اپنی بیٹی کے سامنے بے بس ہو گئے۔ انہیں احساس ہوا کہ انہوں نے پیشہ ورانہ کامیابی کے چکر میں اپنی ہی بیٹی کا ہنستا کھیلتا مستقبل راکھ کر دیا ہے۔ ضمیر کی خلش نے ان کے اندر کے وکیل کو مٹا دیا۔

"انیقہ مجھے نہیں معلوم تھا۔۔۔ میں۔۔۔ میں اسے ٹھیک کر دوں گا۔ کل عدالت میں میں ان کا دفاع نہیں کروں گا میں خود استغاثہ بنوں گا۔ میں انہیں تختہ دار تک پہنچاؤں گا یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔"

اگلی صبح اذہان نئے ثبوتوں کے ساتھ اور وقاص صاحب ایک نئے عزم کے ساتھ عدالت پہنچے۔اذہان کو حیرت ہوئی جب اس نے دیکھا کہ وہی وکیل جو کل تک قاتلوں کی ڈھال تھا آج مدعی کی طرف کھڑا تھا۔فضا میں ایک امید جاگی تھی کہ آج انصاف ہو گا۔

مگر جوں ہی کارروائی شروع ہوئی سرکاری وکیل نے ایک ایسی خبر سنائی جس نے عدالت میں موجود ہر شخص کو ساکت کر دیا۔

"جج صاحب گزشتہ رات ضمانت ملتے ہی ملزمان نجی پرواز کے ذریعے ملک سے فرار ہو چکے ہیں۔ان کی لوکیشن اب دبئی کی بتائی جا رہی ہے۔"

اذہان کے ہاتھ میں پکڑے ثبوت فرش پر بکھر گئے۔وقاص صاحب نے سر جھکا لیا۔قانون جیت گیا تھا مگر انصاف ہار چکا تھا۔وہی ہوا جو اس ملک کی روایت بن چکی تھی——طاقتور کے لیے قانون ایک ریشمی پردہ تھا جسے وہ جب چاہے پھاڑ کر نکل سکتا تھا۔

اذہان نے خالی نظروں سے وقاص صاحب کو دیکھا پھر آسمان کی طرف۔اسے اب سمجھ آیا کہ "ان کہی صدا" کا مطلب کیا تھا۔وہ صدا جو انصاف کے ایوانوں میں گونجتی تو ہے مگر اسے سننے والا کوئی نہیں ہوتا۔

شہیر کے جانے کے بعد قریشی ہاؤس کی رونقیں جیسے کسی نے نچوڑ لی تھیں۔اذہان جو کبھی گھر کا سب سے زندہ دل لڑکا تھا اب ایک خاموش سایہ بن چکا تھا۔ان تلخ دنوں میں اگر کوئی تھا جو اس کی خاموشی کی زبان سمجھتا تھا تو وہ حبا تھی۔حبا نے اپنی شرارتیں اور نوک جھونک ایک طرف رکھ دی تھی۔وہ اب اسے "اوئے" کہہ کر نہیں پکارتی تھی بلکہ گھنٹوں اس کے پاس خاموشی سے بیٹھی رہتی۔اسے پتہ تھا کہ اس وقت اذہان کو نصیحتوں کی نہیں بلکہ ایک ایسے کندھے کی ضرورت ہے جو اسے گرنے نہ دے۔

ایک شام حبا ان کے گھر آئی تو دیکھا کہ اذہان بالکونی میں بیٹھا خالی نظروں سے سامنے والی دیوار کو گھور رہا ہے۔وہ چپ چاپ آئی اور اس کے پاس پڑے اسٹول پر بیٹھ گئی۔

"اذہان کب تک ایسے رہو گے؟ کچھ کھالو امی نے تمہارے لیے تمہاری پسند کی بریانی بھیجی ہے۔"

اذہان نے مڑ کر اسے دیکھا۔اس کی آنکھوں میں وہ پرانی چمک نہیں تھی بلکہ ایک گہری تھکن تھی۔

"پسند؟ حبا اب مجھے ذائقوں کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میرا آدھا وجود شہیر کے ساتھ ہی دفن ہو گیا ہے۔"

حبا نے ایک گہرا سانس لیا اور اس کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی مگر پھر رک گئی۔ اس نے میز پر پڑی کتاب اٹھائی اور اس کی دھول جھاڑنے لگی۔

"تمہیں پتہ ہے اذہان؟ شہیر بھائی نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ اذہان میرا غرور ہے اسے کبھی ٹوٹنے مت دینا۔ اگر تم آج ہار گئے تو ان کا وہ غرور مٹی میں مل جائے گا۔"

اذہان کی نظریں حبا کے چہرے پر جم گئیں۔

"انہوں نے سچ مچ ایسا کہا تھا؟"

حبا نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس لمحے ان دونوں کے درمیان ایک ایسا رشتہ بن رہا تھا جو صرف ہمدردی کا نہیں تھا۔ اذہان کو محسوس ہوا کہ حبا صرف اس کی دوست نہیں بلکہ اس کی وہ ہمت ہے جو اسے دوبارہ کھڑا ہونے میں مدد دے رہی ہے۔

کچھ دن بعد جب اذہان دوبارہ کالج جانے کے لیے تیار ہوا تو حبہ گیٹ پر کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔اس نے اذہان کو دیکھ کر ایک دھیمی سی مسکراہٹ دی وہ مسکراہٹ جو کہہ رہی تھی کہ "میں تمہارے ساتھ ہوں"۔

"بیگ صحیح سے پہنو اذہان اب میں ہر وقت تمہارے پیچھے نہیں آؤں گی اسے ٹھیک کرنے۔"

اس نے پرانے انداز میں چھیڑنے کی کوشش کی مگر اس کی آواز میں ایک عجیب سی نرمی اور اپنائیت تھی۔

اذہان نے پہلی بار ہلکا سا مسکرا کر اسے دیکھا۔

"شکریہ حبا اگر تم نہ ہوتیں تو شاید میں کبھی اس کمرے سے باہر نہ نکل پاتا۔"

حبا نے نظریں جھکا لیں اور اس کے گالوں پر ایک ہلکی سی سرخی دوڑ گئی۔ان کا یہ بدلا ہوا تعلق اب صرف دوستی تک محدود نہیں رہا تھا۔دکھ کے اس سفر نے انہیں ایک ایسی ڈوری سے باندھ دیا تھا جہاں لفظ کم اور احساسات زیادہ تھے۔اذہان کو اب لگنے لگا تھا کہ زندگی شاید دوبارہ جی جا سکتی ہے مگر ایک الگ مقصد کے ساتھ۔

کچھ ماہ گزر جانے کے بعد اذہان کی آنکھوں میں پھیلی وہ خالی جگہ اب ایک ٹھوس عزم میں بدلنے لگی تھی۔وہ لڑکا جو پہلے میتھس کے سوالوں سے جان چھڑاتا تھا اب دیر رات تک قانون کی موٹی موٹی کتابوں میں ڈوبا رہتا۔اس نے انجنیئرنگ کے خواب ایک طرف رکھ دیے تھے کیونکہ اب اسے پل نہیں بلکہ انصاف کے ایوانوں تک پہنچنے والا راستہ بنانا تھا۔

حبا نے اس کے اس فیصلے کا استقبال کسی ڈھال کی طرح کیا۔وہ روز شام کو ڈھیر ساری کتابیں اور نوٹس لے کر اس کے پاس بیٹھ جاتی۔

"اذہان تم نے یہ کانسٹیٹیوشن والا چیپٹر ختم کیا؟"

حبا نے ایک دن اسے کافی کا مگ پکڑاتے ہوئے پوچھا۔اذہان نے تھکی ہوئی نظریں کتاب سے ہٹا کر اسے دیکھا۔

"حبق کبھی کبھی لگتا ہے کہ یہ راستہ بہت طویل ہے۔کیا میں سچ مچ ان طاقتور لوگوں کے سامنے کھڑا ہو پاؤں گا؟"

حبا نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بھرپور یقین سے کہا

"تم اکیلے تھوڑی ہو اذہان۔ شہیر بھائی کی دعا اور میرا ساتھ ہمیشہ تمہارے ساتھ ہے۔ تم ایک وکیل نہیں تم وہ آواز بنو گے جسے دبانے کی جرات کسی میں نہیں ہو گی۔ اذہان انصاف مانگنے سے نہیں ملتا یہ تو وہ قرض ہے جو ظالم کی قمیص چاک کر کے وصول کرنا پڑتا ہے۔ اور اگر اس کے لیے ہمیں خود کو بھی داؤ پر لگانا پڑے تو یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔"

اذہان کی ہمت بڑھ جاتی۔ اسے محسوس ہوتا کہ حبا اس کی زندگی میں وہ روشنی بن کر آئی ہے جو اندھیرے کو قدم قدم پر پیچھے دھکیل رہی ہے۔ ان کے درمیان اب وہ بچپنے والی چھیڑ چھاڑ ایک گہری سنجیدگی اور خاموش محبت میں بدل چکی تھی جہاں ایک دوسرے کا ساتھ ہی سب سے بڑی طاقت تھا۔

دوسری طرف انیقہ نے بھی اپنی زندگی کو ایک مقصد دے دیا تھا۔ وہ اب وقاص صاحب کے چیمبر میں اکثر آتی لیکن ایک بیٹی کے طور پر نہیں بلکہ ایک ایسی رضاکار کے طور پر جو ان لوگوں کی مدد کرتی جن کے پاس وکیل کرنے کے پیسے نہیں ہوتے تھے۔ وہ اور اذہان اکثر لائبریری یا کورٹس کے باہر ملتے۔

Clubb of Quality Content

ایک دن عدالت کی سیڑھیوں پر اذہان کا سامنا انیقہ سے ہوا۔انیقہ کے چہرے پر اب وہ پرانی مسکراہٹ تو نہیں تھی مگر ایک وقار تھا۔

"اذہان تم صحیح راستے پر ہو۔"

انیقہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"شہیر کو انصاف شاید ہم اس وقت نہ دلا سکے مگر تمہاری صورت میں وہ ہر اس شخص کے لیے جیئے گا جس کے ساتھ ناانصافی ہو گی۔"

اذہان نے سر جھکا کر اسے سلام کیا اور آگے بڑھ گیا۔اسے پتہ تھا کہ یہ سفر کٹھن ہے مگر اب اس کے پاس حبہ کی محبت تھی انیقہ کی ہمت تھی اور شہیر کی یاد کا وہ چراغ تھا جو کبھی نہیں بجھنے والا تھا۔وہ اذہان قریشی جو کبھی لاابالی تھا اب قانون کا وہ سپاہی بننے کے لیے تیار تھا جو کسی اور شہیر کا لہو رائیگاں نہیں جانے دے گا۔

چار سال کا وقت گزر چکا تھا مگر کورٹ کچہری کی ان راہداریوں میں اب بھی وہی مخصوص بوجھل پن تھا۔اذہان قریشی کے سیاہ کوٹ کی کریز اتنی ہی سخت تھی جتنا کہ اس کا ارادہ۔وہ

اب وہ لاابالی لڑکا نہیں رہا تھا بلکہ شہر کا وہ وکیل بن چکا تھا جس کے نام سے بااثر لوگ کتراتے تھے کیونکہ وہ صرف سچ کی وکالت کرتا تھا اور اس کی فیس ان لوگوں کے لیے صفر تھی جن کی جیبیں خالی مگر آنکھیں فریاد سے بھری ہوتی تھیں۔

چیمبر کے دروازے پر لگی نیم پلیٹ پر "ایڈووکیٹ اذہان قریشی" چمک رہا تھا۔اندر حبا فائلوں کے انبار میں گھری ایک کیس کی سمری تیار کر رہی تھی۔وہ اب اس کی جونیئر ایسوسی ایٹ اور اس کے ہر فیصلے کی امین تھی۔

"اذہان یہ آخری کیس فائل دیکھ لو۔" حبا نے ایک ضخیم فائل اس کے سامنے رکھی۔

"یہ اس بارہ سالہ لڑکے سموئیل کا ہے جسے بھٹہ مافیا اور قالین بافی کے ایک کارخانے نے جبراً قید کر رکھا تھا۔اس نے بھاگنے کی کوشش کی چائلڈ لیبر کے خلاف آواز اٹھائی اور پھر اسے سرِ عام گولی مار دی گئی۔"

اذہان نے فائل کھولی۔تصویر میں موجود اس چھوٹے سے لڑکے کی آنکھیں اسے شہیر کی یاد دلا گئیں۔وہی معصومیت اور وہی بے وقت خاموشی۔

"دفعہ 302 قتل اور چائلڈ لیبر ایکٹ کی خلاف ورزی کا واضح کیس ہے حبا۔" اذہان نے فائل پر قلم کی گرفت مضبوط کی۔ "مگر پولیس رپورٹ میں اسے حادثاتی گولی دکھایا جا رہا ہے۔ انہوں نے وہی پرانا کھیل شروع کر دیا ہے گواہان کو خریدنا اور ثبوت مٹانا۔"

حبا نے کرسی پر ٹیک لگائی اور اسے غور سے دیکھا۔

"یہ کارپٹ مافیا بہت طاقتور ہے اذہان۔ تمہیں پتا ہے کہ وہ لوگ کس حد تک جا سکتے ہیں۔"

اذہان کے لبوں پر ایک تلخ مسکراہٹ آئی۔ اس نے بالکونی کی کھڑکی سے باہر دیکھا جہاں سورج ڈھل رہا تھا۔

"حبا جب شہیر گرا تھا تو اس وقت میں بے بس تھا کیونکہ میرے پاس قانون کی طاقت نہیں تھی۔ آج میرے پاس وہ ہتھیار ہے جس سے میں اس ظالم نظام کی جڑیں کاٹ سکتا ہوں۔ سموئیل صرف ایک بچہ نہیں تھا وہ ان ہزاروں بچوں کی آواز تھا جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اگر آج میں خاموش رہا تو میرا وکیل ہونا گناہ بن جائے گا۔"

حبا کی آنکھوں میں فخر کی ایک لہر دوڑی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میں نے پٹیشن تیار کر لی ہے۔ہائی کورٹ میں رٹ پٹیشن داخل کرنی ہے تاکہ اس کیس کی تحقیقات ایک آزاد کمیشن کے ذریعے کروائی جا سکیں۔"

اذہان نے سر ہلایا۔

"کل صبح ہم عدالت میں ہوں گے۔حبا اس بار کوئی گواہ نہیں بکے گا اور کوئی مجرم فرار نہیں ہو گا۔"

اس نے اپنی میز پر رکھی شہیر کی تصویر پر ایک نظر ڈالی۔اسے محسوس ہوا جیسے شہیر اسے دیکھ کر مسکرا رہا ہو۔چار سال پہلے جس اندھیرے نے اسے گھیر لیا تھا اب وہ اسی اندھیرے میں دوسروں کے لیے مشعل بن چکا تھا۔اس کا اور حبا کا رشتہ اب صرف جذبات کا نہیں، بلکہ ایک مقصد کا رشتہ بن چکا تھا۔وہ دونوں جانتے تھے کہ یہ لڑائی بہت لمبی ہے مگر وہ ہارنے کے لیے پیدا نہیں ہوئے تھے۔

عدالتِ عالیہ کا کمرہ نمبر چار لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔حبا نے فائلوں کا پلندہ میز پر ترتیب دیا اور ایک گہرا سانس لے کر اذہان کی طرف دیکھا۔اذہان کی پشت بالکل سیدھی تھی اور

نظریں جج کے ہیمر پر جمی تھیں۔ سامنے والی بینچ پر کارپٹ مافیا کا سرغنہ اپنے مہنگے وکیلوں کے حصار میں بڑے اطمینان سے بیٹھا تھا جیسے اسے یقین ہو کہ آج بھی روایت برقرار رہے گی۔

جج صاحب نے کارروائی کا آغاز کیا تو مخالف وکیل نے اپنے دلائل میں سموئیل کے قتل کو ذاتی دشمنی اور اتفاقیہ واقعہ ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

"جنابِ عالی استغاثہ کے پاس کوئی ایسا ٹھوس ثبوت نہیں کہ میرے موکل نے اس لڑکے کو محض چائلڈ لیبر کے خلاف بولنے پر قتل کروایا ہو۔"

اذہان اپنی جگہ سے اٹھا اور ڈائس کے پاس آکر کھڑا ہوا۔ اس کی آواز میں وہ گرج تھی جو حق سچ کی پہچان ہوتی ہے۔

"جنابِ عالی میرے فاضل دوست اسے اتفاق کہہ رہے ہیں مگر قانون اتفاقات پر نہیں حقائق پر چلتا ہے۔"

اذہان نے حبا کی طرف اشارہ کیا جس نے ایک بڑی اسکرین پر کچھ ڈیجیٹل ریکارڈز نمایاں کیے۔

Clubb of Quality Content

"عدالت کی توجہ میں بھٹہ اور کارپٹ انڈسٹری کے ان خفیہ کھاتوں کی طرف دلانا چاہتا ہوں جو سموئیل نے اپنی موت سے چند دن پہلے ایک این جی او کے حوالے کیے تھے۔ یہ کھاتے اس بات کا ثبوت ہیں کہ کس طرح معصوم بچوں کو پیسگی کے نام پر غلام بنایا جاتا ہے۔"

اذہان نے ایک آڈیو ٹیپ نکالی۔

"یہ وہ کال ریکارڈنگ ہے جو میں نے انٹیلیجنس ذرائع اور فارنزک ماہرین کی مدد سے حاصل کی ہے۔اس میں واضح طور پر سنا جا سکتا ہے کہ سموئیل کو دھمکی دی جا رہی ہے کہ اگر اس نے انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن (ILO) کے نمائندوں سے ملاقات کی تو اسے نشان عبرت بنا دیا جائے گا۔"

Clubb of Quality Content

کمرہ عدالت میں ایک سناٹا چھا گیا۔اذہان نے اپنی آواز کو مزید بلند کیا

"آرٹیکل 11 کے تحت انسانی اسمگلنگ اور جبری مشقت پر پابندی ہے مگر یہاں قانون کی دھجیاں اڑائی گئیں۔ سموئیل کا قتل صرف ایک بچے کا قتل نہیں ہے بلکہ یہ اس ریاست کے اس یقین کا قتل ہے کہ یہاں کمزور کو تحفظ ملے گا۔ میرے پاس وہ گولی کا خول موجود ہے جو

فارنزک رپورٹ کے مطابق براہِ راست اس رائفل سے نکلا ہے جو میرے سامنے بیٹھے اس شخص کے گارڈ کے نام پر رجسٹرڈ ہے۔"

اذہان نے دلائل دیتے ہوئے شہیر کے قتل والے دن کی یاد کو اپنے الفاظ میں سمو لیا تھا۔اس کی آنکھوں میں وہ آگ تھی جو انصاف کے لیے تڑپ رہی تھی۔

"اگر آج سموئیل کے قاتل اسی طرح فرار ہو گئے جیسے چار سال پہلے ایک اور بے گناہ کے قاتل ہوئے تھے تو اس عدالت پر سے عوام کا بھروسہ اٹھ جائے گا۔میں انصاف مانگ رہا ہوں ان زنجیروں کے لیے جو معصوم ہاتھوں میں پہنائی گئیں"

جج صاحب نے کافی دیر تک ثبوتوں کا معائنہ کیا اور حبا کی فراہم کردہ دستاویزات کو ریکارڈ کا حصہ بنایا۔دو گھنٹے کے طویل انتظار کے بعد جب جج دوبارہ کرسی پر بیٹھے تو پورا ہال سانس روکے کھڑا تھا۔

"عدالت تمام دستاویزی اور ڈیجیٹل ثبوتوں کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ سموئیل کا قتل ایک سوچی سمجھی سازش تھی تاکہ چائلڈ لیبر کے خلاف اٹھنے والی آواز کو دبایا جا سکے۔

ملزمان کو دفعہ 302 کے تحت عمر قید کی سزا سنائی جاتی ہے اور فیکٹری کو فوری طور پر سیل کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔"

ہیمر کی آواز اس بار اذہان کے دل پر بوجھ نہیں بنی۔اس نے اپنی آنکھیں بند کیں تو اسے لگا جیسے شہیر اس کے پاس کھڑا اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہا ہو "تم نے کر دکھایا اذہان"۔

حبہ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔وہ اذہان کے قریب آئی اور دھیمی آواز میں بولی "آج وہ اندھیرا ہار گیا اذہان۔"

اذہان نے کمرہ عدالت سے باہر نکلتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا۔آج سچ مچ انصاف کی سحر طلوع ہوئی تھی اور یہ تو صرف ایک شروعات تھی۔

چار سال کے طویل صبر اور آزمائشوں کے بعد آج کی شام لاہور کی فضائیں کچھ مختلف تھیں۔ مال روڈ کی تاریخی عمارتیں غروبِ آفتاب کی نارنجی روشنی میں نہائی ہوئی تھیں اور نہر کے کنارے لگے درختوں سے گرتے خشک پتے ایک پرسکون موسیقی پیدا کر رہے تھے۔

اذہان نے اپنی سفید ہونڈا سوک لارنس گارڈن (باغِ جناح) کے قریب روکی۔وہ سب آج شہیر کی چوتھی برسی کے کچھ دن بعد یہاں اکٹھے ہوئے تھے۔ان چار سالوں نے سب کو بدل کر رکھ دیا تھا۔

نورا جو کبھی ایک چھوٹی سی ضدی بچی تھی اب ایک سمجھدار نویں جماعت کی طالبہ بن چکی تھی۔اس کی باتوں میں اب وہ بچپنہ نہیں رہا تھا بلکہ وہ اپنے بھائیوں کی طرح سنجیدہ ہو گئی تھی۔وہ اب ماہ رخ بیگم کا دائیاں ہاتھ تھی اور ان کے گھر کی اس خاموشی کو اپنی پڑھائی اور کامیابیوں سے بھرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

انیقہ نے خود کو ایک خاموش خدمت گزار میں بدل لیا تھا۔اس نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنی زندگی ان خواتین اور بچوں کے حقوق کے لیے وقف کر دی جن کے پاس کوئی آواز نہیں تھی۔اس نے کبھی شہیر کی جگہ کسی اور کو نہیں دی تھی۔وہ ہر ہفتے شہیر کی ماں سے ملنے آتی اور ان کے لیے وہی بیٹی بن گئی تھی جو شہیر بہو کی صورت میں لانا چاہتا تھا۔

"بھائی آپ ابھی تک اسی کیس کے بارے میں سوچ رہے ہیں؟"

نورا نے پیچھے سے اذہان کا کندھا جھنجھوڑا۔اذہان نے چونک کر اسے دیکھا اور مسکرا دیا۔

"نہیں نورا میں بس یہ دیکھ رہا تھا کہ تم کتنی بڑی ہو گئی ہو۔"

حبا جواب اذہان گاڑی سے باہر نکلی۔اس نے سفید کڑھائی والا کرتا پہنا تھا اور اس کے چہرے پر وہ سکون تھا جو صرف سچ کا ساتھ دینے والوں کو ملتا ہے۔

"آج کوئی قانون کوئی دفعہ اور کوئی کیس ڈسکس نہیں ہو گا۔"

حبا نے مصنوعی غصے سے اذہان کو وارننگ دی۔

"آج ہم صرف پرانے لاہور کی سیر کریں گے اور سکون سے کھانا کھائیں گے۔"

وہ سب پیدل چلتے ہوئے باغِ جناح کی ہریالی میں داخل ہوئے۔انیقہ خاموشی سے ان کے ساتھ چل رہی تھی۔اس نے ایک پیڑ کے نیچے رک کر آسمان کو دیکھا۔اسے یاد آیا کہ کیسے شہیر اسے قطب ستارہ کہا کرتا تھا۔آج وہ ستارہ خود نہیں تھا مگر اس کی دی ہوئی روشنی ان چاروں کی زندگیوں میں موجود تھی۔

"آپ ٹھیک ہیں انیقہ باجی؟"

حبا نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

"میں ٹھیک ہوں حبہ۔"

انیقہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"آج اذہان کو کورٹ میں دیکھ کر مجھے لگا جیسے شہیر نے کبھی ہمیں چھوڑا ہی نہیں۔ وہ انصاف کی ہر اس دستک میں موجود ہے جو اذہان دیتا ہے۔"

اذہان نے ان سب کو دیکھا۔ اس کی فیملی، اس کی طاقت۔ اس نے محسوس کیا کہ نارمل لائف صرف دکھوں کے ختم ہونے کا نام نہیں ہے بلکہ دکھوں کے ساتھ جینا سیکھ لینے اور دوسروں کے لیے جینے کا نام ہے۔

"چلو اب بھوک لگ رہی ہے فضل حق کے پائے یا لکشمی چوک کی کڑھائی؟" اذہان نے اپنی وہی پرانی شرارتی ٹون واپس لانے کی کوشش کی۔ نور افوراً چہک اٹھی "کڑھائی! اور ساتھ میں نان۔"

لاہور کی مصروف سڑکوں پر چلتے ہوئے وہ چاروں ایک نارمل زندگی کے اس چھوٹے سے لمحے کو قید کر رہے تھے۔ شہیر کی جسمانی موجودگی وہاں نہیں تھی مگر ان کے قہقہوں، ان کی

ہمت اور ان کے ایک دوسرے کے لیے پیار میں شہیر آج بھی زندہ تھا۔ یہ ان کی غیر معمولی زندگی کا ایک بہت ہی خوبصورت اور نارمل لمحہ تھا۔

لاہور کی ایک سرد صبح اذہان اپنے چیمبر میں بیٹھا ایک نئی فائل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ فائل پر درج نام تھا "فارس علی۔ عمر 22 سال بی بی اے اسٹوڈنٹ"۔ کیس کی تفصیلات پڑھتے ہوئے اذہان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

فارس اپنے گھر سے چند گلیوں دور ایک کیفے کی طرف نکلا تھا اور پھر کبھی واپس نہیں آیا۔ وہ کسی جھگڑے میں ملوث نہیں تھا نہ ہی اس کی کسی سے دشمنی تھی۔ وہ بس غائب کر دیا گیا تھا۔

"اذہان یہ کیس پچھلے کیسز سے الگ ہے۔"

حبا نے فائل کے اندر لگی سی سی ٹی وی فوٹیج کی تصاویر سامنے رکھیں۔

"فارس کی گاڑی ڈی ایچ اے کے فیز 6 میں ایک سنسان جگہ سے ملی لاکڈ حالت میں۔ فون غائب ہے اور آخری لوکیشن بھی اسی ایریا کی ہے۔"

اذہان نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔"حیا جب کوئی بے گناہ یوں پراسرار طور پر غائب ہوتا ہے تو اس کے پیچھے اکثر وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں لگتا ہے کہ وہ قانون سے اوپر ہیں۔یہ جبری گمشدگی کا سادہ کیس نہیں ہے اس کے پیچھے کوئی بڑا نام ہے جسے فارس نے شاید کسی غلط جگہ یا غلط وقت پر دیکھ لیا تھا۔"

کمرہ عدالت میں تناؤ کی کیفیت تھی۔فارس کے بوڑھے والدین کٹہرے کے پاس کھڑے سسک رہے تھے۔مخالف وکیل (جو ایک بہت بااثر شخصیت کا نمائندہ تھا) نے تمسخرانہ انداز میں کہا

"جنابِ عالی پولیس رپورٹ کے مطابق یہ محض گھر سے بھاگنے کا کیس ہو سکتا ہے۔نوجوان لڑکا ہے شاید کسی دباؤ میں تھا۔کوئی ثبوت نہیں کہ اسے اغوا کیا گیا ہے۔"

اذہان اپنی جگہ سے ایک چیتے کی طرح اٹھا۔اس نے ایک جلا ہوا سگریٹ کا ٹکڑا اور ایک چھوٹی سی دھاتی چیز (جو گاڑی کے پاس سے ملی تھی) ایک شفاف بیگ میں جج کے سامنے رکھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"جنابِ عالی! میرے فاضل دوست اسے گھر سے بھاگنا کہہ رہے ہیں مگر کیا کوئی گھر سے بھاگتے ہوئے اپنی گاڑی کا دروازہ لاک کر کے چابی وہیں مٹی میں دبا کر بھاگتا ہے؟ یہ وہ مخصوص دھاتی کلپ ہے جو صرف مخصوص سکیورٹی اداروں یا نجی ویجیلنٹ گروپس کے اسلحہ بیلٹ میں استعمال ہوتا ہے۔"

اذہان نے اپنی آواز کو فولادی لہجے میں ڈھالا۔

"فارس علی کوئی مجرم نہیں تھا۔ وہ ایک طالب علم تھا جس کے پاس خواب تھے۔ اسے 6 جنوری کی اس منحوس شام کو جس گاڑی میں ڈال کر لے جایا گیا اس کی فوٹیج سیف سٹی کے کیمروں سے ڈیلیٹ کر دی گئی ہے۔ میں عدالت سے استدعا کرتا ہوں کہ ان تمام سکیورٹی کیمروں کا فارنزک آڈٹ کرایا جائے اور ان وی آئی پیز کی فہرست طلب کی جائے جو اس رات اس روٹ پر موجود تھے۔"

اذہان نے مڑ کر فارس کے والد کی طرف دیکھا جن کی آنکھوں میں امید کی ایک آخری کرن جاگی تھی۔

"جج صاحب جب تک فارس جیسے نوجوان محفوظ نہیں ہوں گے ہماری ڈگریاں ہمارے قانون اور یہ عدالتیں محض کاغذ کے ڈھیر ہیں۔ ہمیں جواب چاہیے فارس علی کہاں ہے؟"

کمرہ عدالت میں اذہان کی یہ دہائی کسی کی خاطر نہیں بلکہ اس پورے نظام کے خلاف ایک اعلانِ جنگ تھی۔ حبا نے پیچھے بیٹھے ہوئے خاموشی سے اذہان کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ جانتے تھے کہ یہ کیس انہیں ایک بہت بڑی طاقت سے ٹکرانے پر مجبور کرے گا مگر شہیر کے لہو کا قرض چکانے کا یہی طریقہ تھا۔

عدالت کی پچھلی پیشی کے بعد سے اذہان کی راتوں کی نیند حرام ہو چکی تھی۔ جج کے لہجے میں اچانک آئی نرمی اور دلائل کو نظر انداز کرنے کا انداز اذہان جیسے پرکھنے والے وکیل سے چھپا نہیں تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ انصاف کی کرسی ایک بار پھر بک چکی ہے۔

"حبا ہمیں قانون کے دائرے سے تھوڑا باہر نکل کر سوچنا ہو گا۔"

اذہان نے رات کے اندھیرے میں اپنی بائیک کی چابی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اذہان تم پاگل ہو گئے ہو؟ اگر پکڑے گئے تو لائسنس کینسل ہو جائے گا"

حبا نے فکر مندی سے اس کا راستہ روکنا چاہا۔

"لائسنس جائے تو جائے حبا پر شہیر اور فارس کا خون رائیگاں نہیں جانا چاہیے۔" اذہان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی جنونی چمک تھی۔

رات کے دو بجے اذہان نے ایک ڈیلیوری بوائے کا بھیس بدل کر جج کے گھر کے پچھلے راستے سے رسائی حاصل کی۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے جج کے اسٹڈی روم کی ایک پرانی گھڑی کے اندر ایک ننھا سا چھپا ہوا کیمرہ فٹ کر دیا۔ اگلی رات وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ فارس کے دوستوں کے باپ، شہر کے بڑے نام جج کے گھر موجود تھے جہاں لاکھوں کی رشوت اور کیس دبانے کے سودے ہو رہے تھے۔

Clubb of Quality Content

اگلی صبح جج اپنے آفس میں بیٹھا فائل دیکھ رہا تھا کہ اس کے فون پر ایک انجان نمبر سے ویڈیو کال آئی۔ ویڈیو چلی تو جج کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ یہ وہی کل رات کا منظر تھا۔

"اگر فارس کے قاتلوں کو سزا نہ ملی تو یہ ویڈیو سوشل میڈیا پر ہو گی اور آپ کا پورا خاندان ذلیل ہو گا۔" ایک بھاری بدلی ہوئی آواز نے دھمکی دی۔ جج تھر تھر کانپنے لگا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ نامعلوم شخص وہی وکیل ہے جو اس کے سامنے کٹہرے میں کھڑا ہوتا ہے۔

عدالت میں ماحول بدلا ہوا تھا۔اذہان نے وہ ثبوت پیش کیے جو اس نے دن رات کی محنت سے اکٹھے کیے تھے۔

"جنابِ عالی! فارس علی کسی دشمنی کا شکار نہیں ہوا بلکہ اسے اس کے اپنے دوستوں نے تشدد کر کے مارا ہے کیونکہ وہ ان کے غیر قانونی کاموں کا حصہ بننے سے انکار کر چکا تھا۔یہ رہا وہ گودام جہاں فارس کو آخری بار دیکھا گیا اور یہ رہے اس کے دوستوں کے کپڑوں پر لگے فارس کے خون کے نشانات جن کا ڈی این اے میچ کر چکا ہے"

اذہان نے گرجتے ہوئے کہا۔

جج جو کہ اب اس نامعلوم شخص کی دھمکی کے نیچے دبا ہوا تھا اس نے ایک پل بھی ضائع نہیں کیا۔اس نے وہ فیصلہ سنایا جس کی امید کسی کو نہیں تھی۔

"عدالت تمام ثبوتوں کی روشنی میں فارس کے دوستوں کو قتلِ عمد کا مجرم قرار دیتی ہے اور انہیں عمر قید کی سزا سناتی ہے"

کمرہ عدالت میں شور مچ گیا۔فارس کے ماں باپ رو رہے تھے پر اس بار یہ آنسو سکون کے تھے۔باہر نکلتے ہوئے حبا نے اذہان کو دیکھا جو بھیڑ سے دور کھڑا گہری سانس لے رہا تھا۔

"کسی کو کبھی پتہ نہیں چلے گا نا؟"

حبا نے دھیرے سے پوچھا۔اذہان نے مسکرا کر آسمان کی طرف دیکھا۔"ضروری نہیں کہ ہر جنگ قانون کی کتابوں سے جیتی جائے حبا کبھی کبھی اندھیرے کو ہرانے کے لیے خود اندھیرا بننا پڑتا ہے کیونکہ جب نظام بوسیدہ ہو جائے اور قانون اندھا تو انصاف صرف اس کے نصیب میں ہوتا ہے جو خود جلاد بننے کی ہمت رکھتے ہوں"

وہ دونوں وہاں سے نکل گئے جبکہ دنیا کے لیے یہ اذہان کی قانونی مہارت تھی پر اصل میں یہ ایک بھائی کا اپنے بھائی سے کیا ہوا وہ پرانا وعدہ تھا جو آج پورا ہوا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

لاہور کی شام اپنے پورے جوبن پر تھی مگر آج کا منظر عام دنوں جیسا نہیں تھا۔اذہان نے بادشاہی مسجد کے پس منظر میں ایک خاموش مگر پر وقار جگہ کا انتخاب کیا تھا جہاں تاریخ اور سکون ایک ساتھ ملتے تھے۔ٹھنڈی ہوا کے جھونکے حبا کی زلفوں سے کھیل رہے تھے جو ساکت کھڑی اذہان کو دیکھ رہی تھی۔وہ آج خلافِ معمول تھوڑا گھبرایا ہوا اور بہت زیادہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔اذہان نے ایک گہرا سانس لیا اپنا کوٹ درست کیا اور حبا کے سامنے آ کر

رک گیا۔اس کی آنکھوں میں وہ شرارت نہیں تھی جو عام طور پر ہوتی تھی بلکہ ایک گہرا ٹھہراؤ تھا۔

"حبا"

اس نے دھیمے لہجے میں پکارا جیسے الفاظ تول رہا ہو۔

"تمہیں پتہ ہے میں ایک انتہائی نان سیریس انسان تھا۔زندگی کو کبھی سنجیدگی سے نہیں جیا کبھی ذمہ داریاں نہیں اٹھائیں کیونکہ پہلے بابا تھے اور پھر شہیر۔"

وہ ایک پل کو روکا

"مجھے لگتا تھا زندگی بس ایک کھیل ہے۔"

حبا خاموشی سے اسے سن رہی تھی اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

اذہان نے ایک قدم اور قریب کیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا

"پر شہیر کے جانے کے بعد میری بکھرتی ہوئی زندگی میں ان سب مشکل چیزوں کو آسان تم نے بنایا ہے۔اس عدالت کی لڑائی سے لے کر میرے ٹوٹے ہوئے حوصلے کو جوڑنے تک تم

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہر جگہ میرے ساتھ تھی۔اور اس سب میں کب تم مجھے پسند آ گئیں کب میں تمہارے لیے بدل گیا مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔"

اذہان نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی مخملی ڈبیا نکالی اور اسے کھولا۔اس میں ایک سادہ مگر بے حد خوبصورت انگوٹھی چمک رہی تھی۔

"تو حبا فاروقی میں چاہتا ہوں کہ تم آگے بھی میری زندگی میں آسانیاں بناتی رہو۔تو کیا تم اس نان سیریس اذہان قریشی کے ساتھ ایک سیریس زندگی گزارنا پسند کرو گی؟ کیا تم حبا اذہان بننا پسند کرو گی؟"

حبا کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے مگر یہ آنسو دکھ کے نہیں تھے۔اس نے مسکرا کر اذہان کی طرف دیکھا وہ لڑکا جو کبھی ذمہ داریوں سے بھاگتا تھا آج اسے اپنی پوری زندگی کی ذمہ داری سونپ رہا تھا۔

"اذہان" حبا کی آواز جذبات سے بھاری تھی

"نان سیریس اذہان قریشی کو ہینڈل کرنا تھوڑا مشکل تو ہے پر میں اس چیلنج کے لیے پوری زندگی تیار ہوں۔"

اس نے اپنا ہاتھ اذہان کے ہاتھ میں دے دیا۔اذہان نے کانپتے مگر پر جوش ہاتھوں سے انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنادی۔دور کہیں مسجد سے اذان کی آواز گونج رہی تھی جیسے ان کے اس نئے سفر پر آسمانی مہر لگ رہی ہو۔وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے جانتے ہوئے کہ اب سے ان کا ہر دکھ اور ہر سکھ ایک دوسرے کے نام ہو چکا ہے۔

دبئی کے ایک پر تعیش نائٹ کلب کے باہر دو نوجوان لڑکے اپنی مہنگی اسپورٹس کار کی طرف بڑھ رہے تھے۔وہ نشے میں دھت اور اپنی طاقت کے زعم میں چور تھے۔انہیں کیا معلوم تھا کہ آج ان کا سامنا قانون سے نہیں،ل بلکہ ایک بھائی سے ہونے والا ہے۔

اچانک پارکنگ کی روشنیاں مدھم ہوئیں اور ایک سیاہ گاڑی ان کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔گاڑی کا دروازہ کھلا اور اندھیرے سے ایک ہیبت ناک وجود برآمد ہوا۔وہ اذہان تھا مگر آج اس کے ہاتھ میں قانون کی کتاب نہیں بلکہ ایک ٹھوس عزم تھا۔

"کون ہو تم؟ہٹو ہمارے راستے سے"

ان میں سے ایک لڑکا جو چار سال پہلے کامرکزی ملزم تھا لڑکھڑاتے ہوئے چلایا۔

اذہان نے کوئی جواب نہیں دیا وہ بس خاموشی سے ان کے قریب آیا۔اس کی آنکھوں میں شہیر کی آخری ہچکی اور سڑک پر پھیلا وہ لہو رقص کر رہا تھا۔اس نے ایک ہی وار میں ملزم کا گریبان پکڑا اور اسے گاڑی کے بونٹ پر دے مارا۔

"پہچانا؟"

اذہان کی آواز قبر جیسی ٹھنڈی تھی۔

"چار سال پہلے تم نے ایک لڑکے کو سڑک پر مرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔تم نے سوچا کہ ملک چھوڑ دو گے تو گناہ پیچھے رہ جائیں گے؟"

ملزم کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا۔

"تم۔۔۔تم وہ وکیل ہو؟ دیکھو ہم تمہیں بہت پیسے دیں گے جو چاہو لے لو بس ہمیں جانے دو"

اذہان کے لبوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ آئی۔

"پیسے؟ شہیر کی زندگی کی کیا قیمت لگائی ہے تم نے؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اذہان نے اسے مارنا شروع کیا وہ ہر ضرب کے ساتھ شہیر کا نام لے رہا تھا۔یہ بدلہ صرف جسمانی نہیں تھا اذہان نے ان کے تمام غیر قانونی کاروبار ان کے بینک اکاؤنٹس اور ان کی اسمگلنگ کے ثبوت پہلے ہی انٹرپول اور مقامی پولیس کو فراہم کر دیے تھے۔

جب وہ دونوں لہولہان زمین پر پڑے تھے تب اذہان نے فون نکالا۔

"انسپکٹر آپ کے مطلوبہ مجرم یہاں پارکنگ میں پڑے ہیں۔انٹرپول کے ریڈ وارنٹس تیار رکھیں یہ آج کی فلائٹ سے پاکستان جا رہے ہیں۔"

اذہان نے جھک کر ملزم کے کان میں کہا" پاکستان کی جیلیں تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔وہاں میرا قانون چلے گا اور وہاں تمہیں ہر روز موت کی دعا مانگنی پڑے گی مگر موت نہیں آئے گی۔"

اگلی صبح پاکستان کے تمام نیوز چینلز پر شہیر قریشی کے قاتلوں کی گرفتاری اور ان کی واپسی کی خبریں چل رہی تھیں۔اذہان اپنے چیمبر میں بیٹھا حبا کے ساتھ یہ خبر دیکھ رہا تھا۔اس نے شہیر کی تصویر کی طرف دیکھ کر ایک طویل اور پر سکون سانس لی۔

"بھائی آج حساب برابر ہوا۔"

حبا نے اذہان کے شانے پر سر رکھا۔آج سچ مچ قریشی ہاؤس کے اوپر چھایا ہوا وہ سیاہ بادل ہمیشہ کے لیے چھٹ گیا تھا۔

جس دن اذہان نے شہیر کے قاتلوں کو ہتھکڑیاں لگوائی تھیں اسے لگا تھا کہ جنگ ختم ہو گئی لیکن اصل جنگ تو اب شروع ہوئی تھی۔وہ طاقتور لوگ جن کے مفادات اذہان کی وجہ سے خطرے میں تھے اب ایک ہو چکے تھے۔

ایک صبح جب اذہان عدالت پہنچا تو وہاں کا منظر بدلا ہوا تھا۔میڈیا کے کیمرے جو کل تک اسے مسیحا کہہ رہے تھے آج اسے شک کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ٹی وی چینلز پر بریکنگ نیوز چل رہی تھی

"مشہور وکیل اذہان قریشی کا کالا چہرہ بے نقاب،ججز کو بلیک میل کرنے اور ثبوتوں میں ہیر پھیر کرنے کے سنگین الزامات۔"

حبا پریشانی میں بھاگتی ہوئی چیمبر میں آئی۔

"اذہان یہ کیا ہو رہا ہے؟ بار کونسل نے تمہارا لائسنس معطل کر دیا ہے اور وہ تمہارے خلاف انکوائری بیٹھانے والے ہیں۔"

اذہان نے خاموشی سے ٹی وی بند کیا۔اس کے چہرے پر کوئی حیرت نہیں تھی۔

"حبا جب تم گٹر صاف کرنے اترتے ہو تو چھینٹیں اپنے کپڑوں پر بھی پڑتی ہیں۔میں نے جج کو بلیک میل کیا تھا یہ سچ ہے لیکن میں نے یہ انصاف کے لیے کیا تھا۔مگر یہ نظام صرف طریقہ کار دیکھتا ہے مقصد نہیں۔"

کچھ ہی دنوں میں اذہان کے گرد گھیرا تنگ کر دیا گیا۔اس کے خلاف فرضی گواہ کھڑے کیے گئے اسے بد عنوان ثابت کیا گیا اور جس شخص نے سینکڑوں غریبوں کو انصاف دلایا تھا اسے ہی قانون کا دشمن قرار دے دیا گیا۔

لوگوں نے اسے سڑکوں پر دیکھ کر منہ پھیرنا شروع کر دیا۔اس کے گھر کے باہر غدار کے پوسٹر لگ گئے۔حبا کو بھی دھمکیاں دی گئیں کہ وہ اذہان کا ساتھ چھوڑ دے مگر وہ چٹان کی طرح اس کے ساتھ کھڑی رہی۔

"اذہان ہم یہ کیس ہار جائیں گے۔وہ تمہیں جیل بھیجنا چاہتے ہیں"

حبا نے سسکتے ہوئے کہا۔

اذہان نے اپنی لائبریری کی کتابیں سمیٹتے ہوئے ایک تلخ مسکراہٹ دی وہ منظر آج اسے بالکل شہیر کے اس اکیلے پن جیسا لگ رہا تھا۔

"حبا میں نے شہیر کے قاتلوں کو سزا دلوادی۔میں نے سموئیل کو انصاف دلوادیا۔اگر اس کی قیمت میرا کریئر اور میری عزت ہے تو سودا برا نہیں ہے۔دنیا کے لیے میں ویلن سہی مگر میں جانتا ہوں کہ میں نے کیا کیا ہے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ازحان کوٹ سے باہر نکلا جہاں لوگ اسے برا بھلا کہہ رہے تھے۔وہ اپنا سیاہ کوٹ اپنے کاندھے پر ڈالے سر جھکائے نہیں بلکہ ایک فاتحانہ سکون کے ساتھ چل رہا تھا۔اس نے اپنا لائسنس کھو دیا تھا اپنی ساکھ کھو دی تھی لیکن اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا جو اس نے اس خون آلود سڑک پر شہیر کے بے جان وجود کو پکڑ کر کیا تھا۔شہیر کا بدلہ پورا ہوا تھا مگر اذہان

خود اس نظام کی بھینٹ چڑھ چکا تھا۔ وہ اب ایک وکیل نہیں رہا تھا وہ ایک ایسی ان کہی صدا بن گیا تھا جو صرف وہی سن سکتے تھے جو ناانصافی کی چکی میں پس رہے ہوں۔

لاہور کی وہ شام ٹھٹھرتی ہوئی سردی اور ایک عجیب سی پراسرار گھٹن کا مجموعہ تھی۔ گلی کے دوراہے پر کھڑی اکلوتی اسٹریٹ لائٹ سسکیاں لے رہی تھی اور فضا میں اڑتی دھول کسی پرانے ماتم کی دھند لگتی تھی۔

اذہان اور حبا کے درمیان محض پانچ قدموں کا فاصلہ تھا۔ حبا کے چہرے پر وہ سکون تھا جو طوفان کے تھم جانے کے بعد آتا ہے۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جیسے وہ اذہان کو اس کی تمام تلخیوں سے کھینچ کر اپنی محبت کی پناہ میں لے لینا چاہتی ہو۔ اذہان کے لبوں پر ایک ایسی مسکراہٹ آئی جو تھکن اور سکون کا امتزاج تھی۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا پر وہ دوسرا قدم نا اٹھا سکا۔

"ٹھاہ!"

خاموشی کے سینے میں ایک دھاتی چیخ اتری۔پشت سے آنے والی اس گولی نے اذہان کے جسم کو ایک ایسا جھٹکا دیا جیسے کوئی تناور درخت جڑ سے کٹ گیا ہو۔اس کا سفید کرتا لمحوں میں پشت سے سرخ ہونے لگا۔اس نے ایک لمحے کے لیے اپنا توازن برقرار رکھنے کی کوشش کی اس کی آنکھیں حبا کے چہرے پر جم گئیں خوف کرب اور ایک گہری معذرت ان آنکھوں میں بیک وقت ناچنے لگی۔

وہ اوندھے منہ سڑک کی اس بے حس مٹی پر گرا جہاں چار سال پہلے شہیر کا خون بہا تھا۔

"اذہاااااان"

حبا کے حلق سے نکلنے والی وہ چیخ کسی انسان کی نہیں بلکہ ایک ٹوٹتے ہوئے دل کی صدا تھی۔وہ دیوانہ وار اس کی طرف بھاگی اور اسے اپنی گود میں بھر لیا۔اس نے اپنا دوپٹہ اذہان کے زخم پر رکھا مگر لہو کی وہ سرخی حبا کی پوری زندگی کو رنگنے کے لیے کافی تھی۔

"اذہان! نہیں! تم مجھے ایسے چھوڑ کر نہیں جا سکتے آنکھیں کھولو دیکھو میں آگئی ہوں تم نان سیریس ہو پلیز اب سیریس مت ہونا آنکھیں کھولو اذہان"

حبا نے اس کے چہرے کو اپنے لرزتے ہاتھوں میں تھاما۔اس کے آنسو اذہان کے گالوں پے گر رہے تھے جیسے بجھتے ہوئے چراغ میں تیل ڈالنے کی ناکام کوشش ہو۔

اذہان نے اپنی بوجھل پلکیں اٹھائیں اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں جیسے روح جسم کا ساتھ چھوڑنے پر بضد ہو۔اس نے اپنا کپکپاتا ہوا ہاتھ اٹھا کر حبا کے گال پر رکھا اس کی انگلیاں خون سے تر تھیں جس نے حبا کے گورے چہرے پر محبت اور موت کی ایک لکیر کھینچ دی۔

"حبا"

اس کی آواز ایک ٹوٹتی ہوئی سرگوشی تھی جو صرف حبا کا دل سن سکتا تھا۔"حبا۔۔۔معاف کر دینا۔۔۔میں نے کہا تھا نا کہ میں ذمہ داریاں نہیں اٹھا سکتا۔۔۔دیکھو نا تمہارے ساتھ جینے کی ذمہ داری بھی ادھوری چھوڑ رہا ہوں۔۔۔"

اس نے ایک اکھڑتی ہوئی سانس لی

"میں سارا وقت اسی ڈر میں گزارتا رہا کہ کہیں تمہیں کھو نہ دوں میں نے زندگی سے تمہیں مانگا تھا حبا تا کہ تمہارے سہارے جی سکوں مگر دیکھو آج جب تم میرے سامنے ہو تو میرے

پاس جینے کی ایک سانس بھی باقی نہیں رہی دیکھو آج۔۔۔آج تمہیں پا کر بھی میں ہار رہا ہوں۔"

حبا نے اسے اپنے سینے میں بھینچ لیا اس کی سسکیاں اس سڑک پے گونج رہی تھیں۔"تمہیں کوئی معافی نہیں ملے گی اذہان تمہیں جینا ہو گا تم نے وعدہ کیا تھا کہ مجھے حبا اذہان بناؤ گے تم مجھے تنہا اس ظالم دنیا میں نہیں چھوڑ سکتے"

اذہان کے لبوں پر ایک آخری لرزتی ہوئی مسکراہٹ آئی۔اس کی نظریں دھندلا کر آسمان کی طرف اٹھیں جہاں شاید اسے شہیر ہاتھ ہلاتا نظر آ رہا تھا۔

"حبا شہیر کہہ رہا ہے کہ قریشی ہاؤس کی دستک اب خاموش ہونے والی ہے وہ مجھے کہے رہے ہیں کہ اب تم تھک گئے ہو ازحان میرے پاس آجاؤ۔امی کو بتانا ان کا دوسرا شیر بھی سو گیا"

اس نے ایک لمبی کھینچتی ہوئی سانس لی۔اس کی مٹھی میں دبا حبا کے دوپٹے کا پلو آہستہ سے چھوٹ گیا۔اس کا ہاتھ حبا کے گال سے پھسل کر زمین پر جا گرا۔وہ آنکھیں جو کبھی پورے نظام سے لڑ جاتی تھیں اب ایک ابدی سکون کے ساتھ ساکت ہو گئی تھیں۔

ماہ رخ بیگم اور نور اجب وہاں پہنچیں تو منظر دیکھ کر وقت وہیں منجمد ہو گیا۔ماہ رخ بیگم کے منہ سے کوئی چیخ نہیں نکلی وہ بس وہیں سڑک کے بیچوں بیچ پتھر کی مورتی بن گئیں۔ان کی وہ گود جو چار سال پہلے اجڑی تھی آج ہمیشہ کے لیے بانجھ ہو گئی تھی۔نورا اپنے بھائی کے ٹھنڈے ہوتے ہاتھوں کو چوم کر چلا رہی تھی "بھائی! اٹھیں نا اب میں کس کے پیچھے چھپ کر زمانے کا مقابلہ کروں گی؟میرا غرور لوٹا دیں بھائی"

قریشی ہاؤس کے لان میں سفید قناتیں تنی ہوئی تھیں۔مہمانوں کی تعداد اتنی مختصر تھی کہ خاموشی کے سائے بھی دستک دیتے محسوس ہوتے تھے۔بدنامی اور مقدمات کے بوجھ تلے دبے خاندانوں کے ہاں لوگ آنے سے کتراتے ہیں.

حبا سرخ عروسی جوڑے میں ملبوس نکاح خواں کے سامنے بیٹھی زمین کو تک رہی تھی۔چھ ماہ پہلے جب اذہان اسی گلی کی دھول میں گرا تھا تو اس کے ساتھ ہی حبا کی زندگی کے سارے رنگ بھی اسی مٹی میں مل گئے تھے۔آج وہ ایک ایسی دلہن تھی جس کی آنکھوں میں ویرانی تو تھی مگر لبوں پر ایک عجیب سا اطمینان تھا۔

عورتوں کی سرگوشیاں ہمیشہ کی طرح زہریلی اور بے رحم تھیں۔

"کتنی بے وفا لڑکی ہے جس اذہان نے اس کے لیے پوری دنیا سے بیر مول لیا وہ اس کے مرنے کے چھ ماہ بعد ہی کسی اور کی ہونے جا رہی ہے۔ آخر یہ اجنبی ہے کون؟"

ایک بوڑھی عورت نے تجسس سے سامنے والے کمرے کی طرف دیکھا جہاں پردے گرے ہوئے تھے۔

"کہتے ہیں ماہ رخ بیگم کا کوئی دور کا عزیز ہے شہر سے باہر کا۔"

حبا نے ان باتوں پر سر نہیں اٹھایا۔ اس کا یقین پختہ تھا۔ رخصتی کی دعا کے فوراً بعد اسے اندر کمرے میں بھیج دیا گیا۔ انیقہ اس کے ساتھ تھی اس نے حبا کا ہاتھ تھام کر اسے حوصلہ دیا مگر خود انیقہ کی آنکھوں میں جیت کی ایک عجیب سی چمک تھی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی حبا نے دروازہ بند کر لیا۔ سامنے صوفے پر ایک شخص نہایت وقار سے بیٹھا تھا جس کے کندھے چوڑے اور قامت مضبوط تھی۔ اس کے چہرے پر سہرے کے پھول لدے ہوئے تھے۔ حبا نے قدم بڑھایا اور اس کے گھٹنوں کے پاس فرش پر بیٹھ گئی۔ اس نے آہستگی سے سہرا ایک طرف ہٹایا۔

سہرے کے پیچھے اذہان تھا۔

اس کا چہرہ زرد نہیں تھا بلکہ ان چھ مہینوں کی گمنامی نے اسے مزید پُراسرار اور طاقتور بنا دیا تھا۔ گولی کا زخم اب بھر چکا تھا اور اس کی آنکھوں میں وہی پرانی گہری اپنائیت اور ناقابلِ شکست عزم تھا۔

"تم رو کیوں رہی ہو چھپکلی؟"

اذہان کی آواز بھاری اور مضبوط تھی اس نے حبا کے آنسو پونچھے۔

"نکاح تو میرا اور تمہارا ہی ہوا ہے نا؟ دنیا کیا سوچتی ہے اس سے ہمیں کب فرق پڑا تھا؟"

حبا نے اس کے ہاتھ پر سر رکھ کر ایک اطمینان بھری سسکی لی۔ اسے وہ رات یاد آئی جب اذہان کی سانس اکھڑ رہی تھی۔ عنیقہ، نورا اور ماہ رخ بیگم نے اسے کسی نایاب خزانے کی طرح دنیا سے چھپا لیا تھا۔ انہوں نے ایسا ماتم کیا کہ پولیس اور میڈیا کو شک تک نہ ہوا کہ لاش کے بجائے ایک زندہ انسان کو اندر لے جایا گیا ہے۔ پچھلے چھ ماہ اذہان اسی گھر کے ایک تاریک مگر محفوظ کمرے میں خود کو تیار کرتا رہا۔ ان چار عورتوں نے باری باری پہرہ دیا اور دنیا کی نظروں میں اسے مردہ ہی رہنے دیا تاکہ وہ اپنے دشمنوں کے لیے ایک ڈراؤنا خواب بن کر لوٹ سکے۔

"اب وقت آ گیا ہے اذہان"

انیقہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔اس نے ایک لیپ ٹاپ میز پر رکھا۔

اذہان صوفے سے اٹھا اس کی چال میں وہی پرانا رعب تھا جو کسی وکیل کا عدالت میں داخل ہوتے وقت ہوتا ہے۔اس نے لیپ ٹاپ اپنی گود میں رکھا۔اب وہ خاموش رہنے والا اذہان نہیں تھا۔اس نے ایک نامعلوم اکاؤنٹ سے وہ تمام ویڈیوز اور دستاویزات اپلوڈ کرنا شروع کر دیں جو اس نے برسوں کے کرب سے اکٹھی کی تھیں۔ججوں کی آڈیو ریکارڈنگز، کارپٹ مافیا کے گودام، اور فارس کے قاتلوں کے اعترافی بیانات۔

ویڈیو کے اختتام پر صرف سیاہ اسکرین پر سفید حروف چمک رہے تھے

"یہ ثبوت ایک ایسے شخص کی امانت ہیں جو اب اس دنیا میں نہیں رہا۔اس نے شہیر کے لہو کا حساب مانگا اس نے غلاموں کی زنجیریں کاٹیں اور بدلے میں اسے صرف گمنامی ملی۔اذہان قریشی جتنا لڑ سکتا تھا لڑ چکا۔اب یہ فائلیں آپ کے پاس ہیں۔یاد رکھیے جب تک آپ خود اس بوسیدہ نظام کے خلاف نہیں نکلیں گے انصاف کے ایوانوں میں صرف مصلحتیں بکیں گی۔یہ جنگ اب آپ کی ہے۔"

ویڈیو اپلوڈ ہوتے ہی جیسے پورے ملک میں ایک بھونچال آ گیا۔اذہان نے سکون سے لیپ ٹاپ بند کیا اور آنکھیں موند لیں۔اسے اب کسی تمغے کی ضرورت نہیں تھی۔

نورا اور ماہ رخ بیگم بھی کمرے میں آ چکی تھیں۔ماہ رخ بیگم نے اپنے بیٹے کا ماتھا چوما جس کا وجود آج بھی ان کے پاس ایک فاتح کی طرح سلامت تھا۔

"اب ہم کہاں جائیں گے؟"

نورا نے دھیرے سے پوچھا۔

اذہان نے حبا کا ہاتھ تھام لیا اور اسے اپنے ساتھ کھڑا کیا۔

"کہیں بھی نورا۔جہاں کوئی وکیل نہ ہو کوئی مجرم نہ ہو۔بس ہم ہوں اور یہ ادھورا سا سکون۔"

باہر لاہور کی سڑکوں پر لوگ نکلنا شروع ہو چکے تھے ایک خاموش انقلاب دستک دے رہا تھا۔پر اس کمرے کے اندر شہیر کی تصویر دیوار پر لگی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ آج سچ مچ مسکرا رہا ہو۔

انصاف مل چکا تھا مگر اس کی قیمت ان کی پہچان تھی۔لوگوں کے لیے اذہان قریشی مر چکا تھا مگر اس کی ان کہی صدا اب پورے ملک کی آواز بن چکی تھی۔

کچن میں برتنوں کے گرنے کی آواز پر اذہان کی آنکھ کھلی۔اس نے مسکراتے ہوئے سر جھٹکا اور بیڈ سے اٹھ کر سیدھا کچن کا رخ کیا۔وہاں کا منظر دیکھ کر اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔حبا جو سرخ جوڑے میں بلا کی خوبصورت لگ رہی تھی ایک ہاتھ میں فرائینگ پین پکڑے دوسرے ہاتھ میں انڈے تھے اور اس کے چہرے پر ایسی سنجیدگی تھی جیسے وہ ایٹم بم بنانے کی ترکیب پڑھ رہی ہو۔

"حبا اگر تم اس آملیٹ کو اتنی ہی ہمدردی سے دیکھتی رہی تو اس نے خود بخود نہیں بن جانا"

اذہان کچن کے کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اس کی آواز میں وہی مخصوص مٹھاس اور شرارت تھی۔

حبا نے چونک کر اسے دیکھا اور فوراً پین نیچے رکھ دیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اذہان آپ کب آئے؟اور پلیز یہ ہنسنا بند کریں۔آپ کو پتا ہے مجھے ککنگ سے کتنی الرجی ہے بس نورا کے کہنے پر تجربہ کر رہی تھی۔"

اذہان چلتا ہوا اس کے بالکل قریب آیا اور بڑی نرمی سے اس کے ہاتھ سے چمچ لے کر ایک طرف رکھا۔

"تجربے لیبارٹری میں اچھے لگتے ہیں حبا کچن میں نہیں۔اور ویسے بھی جب تمہارا شوہر اس فن میں ماہر ہو تو تمہیں زحمت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

اس نے بڑی مہارت سے انڈے پھینٹے اور چولہا جلایا۔حبا حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"آپ کو واقعی ناشتہ بنانا آتا ہے؟مجھے لگا آپ صرف آرڈر دینا جانتے ہیں۔"

اذہان نے اسے ترچھی نظروں سے دیکھا اور مسکرایا۔

"آرڈر تو میں عدالت میں دیتا تھا یہاں تو میں صرف تمہارا خادم ہوں۔ویسے بھی ان چھ مہینوں میں جب تم مجھے زبردستی دلیہ کھلاتی تھی تب میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ٹھیک ہوتے ہی میں خود اچھا ناشتہ بناؤں گا۔"

اس نے پلیٹ تیار کی اور ایک لقمہ توڑ کر حبا کے لبوں کے قریب لے گیا۔

"چکھ کر بتاؤ تمہارے وکیل صاحب پاس ہوئے یا فیل؟"

حبا نے لقمہ لیا اور اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

"اذہان یہ تو بہت مزے کا ہے۔ آپ تو چھپے رستم نکلے۔"

"صرف رستم نہیں تمہارا محافظ بھی" اذہان نے دھیمے سے کہا اور اس کے ماتھے پر بکھری ایک لٹ کو پیار سے کان کے پیچھے کیا۔

"تمہیں پتا ہے حبا؟ اس ساری جنگ میں مجھے سب سے زیادہ ڈر اس بات کا تھا کہ کہیں تمہاری یہ ہنسی نہ کھو جائے۔ آج تمہیں یوں نارمل باتیں کرتے دیکھ کر لگتا ہے کہ میری ساری محنت وصول ہو گئی۔"

حبا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اور مجھے ڈر تھا کہ کہیں آپ کا یہ سخت وکیل والا روپ کبھی ختم نہیں ہو گا۔"

اذہان ہنسا اور اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"وہ روپ دنیا کے لیے تھا تمہارے لیے تو میں وہی پرانا اذہان ہوں جو تمہاری ایک ڈانٹ پر خاموش ہو جاتا ہے۔"

اسی لمحے نورا اور انیقہ کچن میں داخل ہوئیں۔ نورا نے تالی بجائی

"اوہو بھائی تو بڑے رومانٹک شیف نکلے انیقہ باجی دیکھیں بھابھی کا تو ناشتہ بھی وی آئی پی ہے۔"

ماہ رخ بیگم بھی پیچھے سے مسکراتی ہوئی آئیں

"اذہان بس کرو اب بیچاری کو کتنا تنگ کرو گے۔ سب مل کر ناشتہ کرتے ہیں۔"

اذہان نے حبا کو دیکھا اور شرارت سے آنکھ دبائی۔

"تنگ کہاں کر رہا ہوں امی میں تو بس ان کا کیس سن رہا تھا۔"

اس چھوٹے سے کچن میں قہقہے گونجنے لگے۔ باہر دھوپ روشن تھی اور زندگی اپنی تمام تر خوبصورتیوں کے ساتھ ان کا استقبال کر رہی تھی۔ شہیر کی تصویر اب اداس نہیں لگتی تھی کیونکہ اس کا بھائی اب سچ مچ جینا سیکھ چکا تھا۔

انصاف کی پکار ختم ہو چکی تھی اب صرف محبت کا آغاز تھا۔

ختم شد

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے

نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

بہترین کوالٹی کی کتب شائع کروانے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں۔

03257121842

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842